

مُعَاوِف فِيْچَر

مدیر:
سید شاہد ہاشمی

MA'ARIF FEATURE

نائب مدیران: ممعن ظفر خان، سید سمیع اللہ حسینی، نوید نون - معاون مدیر: غیاث الدین

ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل بی، ایریا، کراچی - ۵۹۵۰

فون: ۰۹۲۰۱۳۶۸۰۹۲۰ - ۰۳۶۳۶۹۸۴۰ (۹۲-۲)، فیکس: ۳۶۳۶۱۰۴۰

www.irak.pk، ویب گاہ: irak.pk@gmail.com

- ۱- **معاوف فیچر** ہر ماہی کیم اور رسولت ریجنوں کو شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں دنیا بھر سے (ہمیں) دستیاب ایسی معلومات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے، جو اسلام سے دوچی اور ملت اسلامیہ کا درد رکھنے والوں کے غور و فکر کے لیے اہم یا غیرہوںکی ہیں۔
- ۲- پیش کیا جانے والا لواز مہ بالعموم بلا تبصرہ شائع کیا جاتا ہے۔ کسی مضمون، نقطۂ نظر، خیال یا معلومات کے انتخاب کی وجہ اس سے ہمارا تقاضہ نہیں، اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ کسی مضمون یا معلومات کی مدل تردید یا اس سے اختلاف پیش کیا جائے تو اس کو بھی جلدی جاسکتی ہے۔
- ۳- **معاوف فیچر** کوہتر بنا کے لیے مفید معلومات کے حصول یا ان کے ذریعہ تک رسائی میں آپ کی مدد کا خیر مقصد کیا جائے گا۔
- ۴- ہمارے فرائم کروہ لواز سے کے مرید، لیکن غیر تجارتی ابلاغ کی عالم اجازت ہے۔
- ۵- **معاوف فیچر** کی کوئی قیمت مقرر نہیں۔ تامین عطیات کی ضرورت بھی تجارتی ہے اور عطیات تقبل بھی کیے جاتے ہیں۔ اسلامک دیسرچ اکیڈمی کو اچی

بولسینیہ کو ۲۶ فیصد کے مقابلے میں فریبیڈ و کو ۲۹ فیصد دوڑ ملے تھے، اگرچہ فریبیڈ نے اپنی انتخابی ہم کے دوران جنگلات کی کٹائی کے خلاف بہت جارحانہ موقف اپنایا تھا، مگر ان کی جماعت نے ماضی میں ایسے بہت اسے افسوس اڑ کر پروجکٹ قائم کیے ہیں، جو نتائج کے اعتبار سے ماحولیات کے لیے بہت تباہ کن ہیں۔ مثلاً: موئنچہ ڈیم وغیرہ۔ ایک حالیہ اسٹڈی کے مطابق جنگلات تجارتی فوائد کے لیے دنیا بھر میں سب سے موزوں ہیں، اس لیے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۵ء کے دوران سویاہیں اور گوشت کی پیداوار کے لیے دنیا بھر میں کائلے گئے جنگلات کے ایک چوتھائی حصے کو صرف برازیل میں زرعی فارماں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ایزوں کے جنگلات کی کٹائی کی بڑی وجہ موسیشیوں کی افزاآش، بکڑی کا حصول اور غیر قانونی طریقوں سے زرعی فارماں کا قیام ہے۔ گوشت جو برازیل سے سے زرعی فارماں کی مانگ میں بھی اضافہ کر دیا ہے، جیسیں امریکا تجارتی تنازع نے سویاہیں کی مانگ میں بھی اضافہ کر دیا ہے، جو برازیل کی ایک اور بڑی فعل ہے۔ ماحولیاتی مسائل کی قیادت کے لحاظ سے اب تک برازیل کا کردار قابل تحسین رہا

اندرونی صفحات پر:-

- ۱- جمال خاتمی کا قتل اور بڑی تبدیلیوں کے اشارے
- ۱- بھارت میں مسلمانوں کی سیاسی بے وزنی
- ۱- بھارت میں سرکاری اسکولوں کی حالتِ زار
- ۱- ”فائیو آئی“ اتحاد، جیسیں کے اثر و سوچ کو محدود کرنے کی کوشش
- ۱- مغربی نظریات پر مولانا مودودی کی گرفت
- ۱- دہشت گردی کے خلاف جنگ
- ۱- سینمہ شپ؟ لگ پتا جائے گا!

برازیل کے صدارتی انتخابات اور ایزوں کا مستقبل

گے، جو ان لوگوں کے مفادات کا تحفظ کرنا چاہتی ہے، جو ان جنگلات کو ختم کر کے انہیں زرعی فارماں میں تبدیل کر دیں گے۔ انہوں نے ان برازیلیں باشندوں کے لیے جنگلات کی علیحدہ زمین مختص کرنے کی بات کو بھی مسترد کر دیا ہے، جو صدیوں سے ان جنگلات میں رہ رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ صدر منتخب ہو گئے، تو وہ ان مقامی باشندوں کے لیے بھی ایک ریفرنڈم ثابت ہو گا۔ ان جنگلات کے ساتھ کہہ ارض کے بہت سے مفادات وابستے ہیں۔

صدرتی انتخابی ہم میں سب سے آگے دائیں بازو کے فاریس ریز رو مقامی باشندوں کے کنٹرول میں ہیں، وہ ان جنگلات کی کٹائی کے خلاف بہترین دفاع ثابت ہوتے ہیں۔ بولسینیہ و ان جنگلات کے دیگر استعمال کی بات کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان جنگلات کے لیے شہزادوں کی خاصیت پر اعتماد کیا جائے۔ رائٹرز کی رپورٹ کے مطابق ان کی انتخابی ہم کے دوران دیں گے، کیونکہ گوشت اور سویاہیں جس کی اس وقت دنیا بھر میں بڑی مانگ ہے کہ وہ ماحولیاتی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزاوں اور جرم انوں میں بھی کمی کریں گے۔

انہوں نے ہیرس کا لمبیت معاملہ سے نکلنے کے امکان کو ختم کر دیا ہے، تاہم اگر وہ ایسا نہیں بھی کرتے تو انتخابی ہم کے دوران ان کے وعدوں کے نہ صرف ایزوں، بلکہ پورے کرہ ارض پر عین ارشاد مرتب ہوں گے۔ دو میں ایکٹر قبے پر کھیلے ہوئے یہ جنگلات جن کا زیادہ حصہ برازیل میں ہے، دنیا بھر میں پیدا ہونے والی کاربن ڈائی اسٹڈی کی بڑی مقدار کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں۔ بولسینیہ کے ہیں کہ وہ ماحولیات کی وزارت، جس کی ذمہ داری ماحولیات کا تحفظ ہے، کوہنڈ کر کے اسے وزارت زراعت میں مغم کر دیں

ایک برازیلیں تنظیم ”کامبیٹ ایزو روئیری“، جو ماحولیاتی مسائل پر صدارتی امیدواروں کے موقف مرتب کرتے ہیں، کے ایک یکٹو سکرٹری کارلوس ریٹل کہتے ہیں کہ ”بولسینیہ کی انتخابی فتح جس میں کسی کوشک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی، کے بعد عالمی ماحولیاتی ایجنسیے پر برازیل کی قیادت ختم ہو جائے گی اور گلوبل وارنگ کے خلاف جنگ کی راہ میں بڑی رکاٹیں پیدا ہوں گی۔“ ۲۸ ماکتوبر کو ہونے والے ایکشن میں بولسینیہ کے بڑے حریف بائیس بازو کی وکر رکارٹی کے فریبیڈ و ہیڈڈ پبلے مرحلے میں کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ پبلے مرحلے میں

والا اخراج پھر بھی ان دو بڑے صفتی ممالک چین اور امریکا میں ہونے والے اخراج سے بہت کم ہے۔ برازیل میں کاربن اخراج کے دو بڑے ذرائع تیل کی پیداوار اور زراعت ہیں۔ ماحولیاتی تحفظ کے اقدامات کی طرف مراجعت دراصل برازیلیں پاریمان میں موجود ماحولیاتی تحفظ کے حامی ایک بڑے گروپ کے بڑھتے ہوئے اثرکا نتیجہ ہے، جو خود کو Beef, Bible and Bullet Coalition بولنے والے اضافہ کرتے ہیں کہ بلوسونیر و کامیابی سے اس کھلاتا ہے۔ مصرین کہتے ہیں کہ بلوسونیر و کامیابی سے اس اخراج گلوبال فاریٹ واج کی استدی رپورٹ سے پتا چلا ہے کہ ۲۰۱۵ء کے عرصے میں ان گرم ممالک میں اوسطاً ہر سال کاربن ڈائی آسائیڈ گیس کے ۸۴ کیگاٹن اخراج کو ان درختوں کی مدد سے روکا گیا، جو ۸۵ ملین کاروں کے پورے لائف نائم کے دوران ہونے والے کاربن ڈائی آسائیڈ اخراج کے برابر ہے، اگر درختوں کی کثافتی اسی شرح سے جاری رہی تو رپورٹ کے مطابق دنیا کے لیے یہ ممکن ہو جائے گا کہ گلوبال وارمنگ کو پرس معاہدے کے دیے گئے اہداف سے نیچہ رکھا جاسکے۔ گرین گیس خارج کرنے والے بڑے ممالک میں برازیل چھٹے نمبر پر آتے ہیں، مگر یہاں ہونے

"Whats at stake in Brazils election the future of the Amazon". ("nytimes.com"). Oct. 17, 2018)

مربع میں عرب اس سے پہلے نہ صرف ختنی سے تردید کر رہا تھا بلکہ پابندیوں کی صورت میں جو ای اقدامات کی دھمکی دے رہا تھا۔ شاہ سلمان کو جمال خاشقجی کی قتل کا فوری علم نہ ہوا۔ شاہی خاندان کے کچھ ذرائع کہتے ہیں کہ انہیں سعودی ٹی وی چینر کی رپورٹ سے علم ہوا جبکہ کچھ ذرائع کہتا ہے کہ شاہ سلمان کو خود ولی عبد نے آگاہ کیا اور مشکل سے نکلنے کے لیے مدد مانگی۔ دو یونٹ تردید کے بعد اعتراضی بیان نے سعودی مشکل کو کم کرنے کی بجائے بڑھا دیا ہے۔

امریکی صدر ڈنلڈ ٹرمپ پہلے تو اس قتل پر بات کرنے کو تیار نہ تھے پھر اسے بدمعاش قاتلوں پر ڈالتے رہے۔ اعتراضی بیان کے بعد اسے قابل اعتبار بھی کہا لیکن اگلے ہی دن واشنگٹن پوسٹ سے انزو یو میں شکوک کا اظہار کیا اور کہا کہ اس معاملے میں دھوکا دیا گیا اور جھوٹ بولے گئے۔ تاہم ٹرمپ نے کہا کہ سعودی عرب قابل اعتقاد تھا دی ہے اور انہیں امید ہے اس قتل کے حکامات ولی عہد نے نہیں دیے ہوں گے۔

شاہ سلمان بادشاہت سنپھانے سے پہلے گورنر ریاض تھے، ان کی شہرت بھیست گورنر یہ تھی کہ وہ سرکش اور بھتک جانے والے شہزادوں کو تباہ کرنے میں ثانی نہیں رکھتے۔ سعودی تحقیقات کے نتیجے میں اعلیٰ ترین عہدیداروں سمیت

تجھیے کے مطابق، اگر ملک میں حالیہ ماحولیاتی رجحانات کا تسلسل رہتا ہے، تو برازیل پرس معاہدے کی روشنی میں کاربن اخراج میں کمی کے اہداف حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ (Global Witness) اور گرجین اخبار کے تعاون سے ہونے والی استدی میں معلوم ہوا ہے کہ ماحولیاتی حقوق کی جدوجہد کرنے والے کارکنوں کے لیے برازیل مہک ترین ملک ثابت ہو گا۔ درختوں کی کثافتی سے کاربن کے اخراج میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ کاربن کا بہت زیادہ اخراج گلوبال فاریٹ واج کی استدی رپورٹ سے پتا چلا ہے کہ ۲۰۱۵ء کے عرصے میں ان گرم ممالک میں اوسطاً ہر سال کاربن ڈائی آسائیڈ گیس کے ۸۴ کیگاٹن اخراج کو مدتاز کرے گا، کیونکہ برازیل نے ۱۹۹۳ء میں Earth Summit کی میزبانی کی تھی، جب عالمی رہنماؤں نے پہلی مرتبہ United Nations Framework Convention on Climate Change پر تختہ کیے تھے اور اب وہ نومبر ۲۰۱۶ء میں اس کی سالانہ نمیٹنگ کی میزبانی کے لیے دوڑھوپ کر رہا ہے۔ اس کا مقصد گلوبال وارمنگ کی رفتار کم کرنے اور جنگلات کو بچانے کے لیے ممالک کو کاملا کرنا ہے۔

پہلے ہی برازیل اپنی ماحولیاتی پالیسیوں سے پیچھہ رہا تھا۔ باکیں بازو سے تعقیل رکھنے والے سیاست دان ایکروں جنگلات کے لیے وسائل مختص کرنے کے حوالے سے زیادہ ہم جوش نہیں رہے، مگر سابق صدر ڈھیما رو سیف کے دور میں ان ریز روز کی حد بندی کے عمل میں ہونے والی مست روی اور جنگلات کی کثافتی کی شرح میں اب پھر سے اضافہ ہونا شروع ہو گیا ہے۔ افراط از رکی وجہ سے بھی عین نتائج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جن کی بدولت وزارت ماحولیات کی فنڈنگ میں خاصی کمی واقع ہو گئی ہے۔ برازیلیں سائنس دانوں کے

جمال خاشقجی کا قتل اور بڑی تبدیلیوں کے اشارے

ڈاکٹر آصف شاہ

کی انسانی حقوق کو نسل تو یکن پر شور چاٹی رہ گئی لیکن امریکا سمیت کسی عالمی طاقت نے اس پر کان نہ دھرا، لیکن ایک قتل پر اس قدر شور چاٹ کہ سرکش شہزادے کا مستقبل ہی داؤ پر لگ گیا ہے۔ صحافی جمال خاشقجی کے قتل سے پیدا ہونے والی صورت حال اور عالمی دباؤ سے پریشان شاہ سلمان نے اپنے معتمد حال اور عالمی دباؤ سے بھی زیادہ تکمیلی قرار دیا جا رہا ہے۔ عینکی کا عالم یہ ہے کہ سعودی شاہی نظام تھل پھل کا شکار ہے۔ ائمیں جن ڈرائیور کیا جاسکے، مگر پرانے خالد الفحص نے واپس آ کر شاہ سلمان اور شاہی خاندان کو بتا دیا کہ ان حالات سے نکلا، بہت مشکل ہے۔

پرانے خالد الفحص شاہ سلمان کے معتمد ہونے کے ساتھ ترک صدر طیب ایروان کے بھی دوست شمار ہوتے ہیں۔ ترک حکام نے ان کے ساتھ آڈیوریکا رڈنگ شیر کی۔ ترک ذرائع کا کہتا ہے کہ خالد الفحص شاہزادہ کی کراس قدر رہا میں آئے کہ انہوں نے تعاون کے لیے منت تک کی، جو سعودی شاہی خاندان کا شیوه نہیں۔ پرانے خالد کی شدید پریشانی میں وطن واپسی کے بعد ہی سعودی عرب کو اعتراضی بیان پر مجبور ہونا پڑا۔

یمن میں جگ کا آغاز، سعودی عرب میں انسانی حقوق کی خواتین کا رکن کی گرفتاری سمیت محمد بن سلمان کے کئی فیصلوں پر میں الاقوامی ذرائع ابلاغ نے شور چاپا۔ اقوام متحدہ

صرف قتل ہو چکے ہیں بلکہ ان کی لاٹ کے گلے کے گئے ہیں۔ آہستہ آہستہ مزید تفصیلات اور تصاویر بھی چینیدہ میڈیا ہاؤسز کے ساتھ شیرک کی گئیں۔ ادن یہی کھیل کھیلا گیا اور سعودی حکومت دباؤ میں آتی چل گئی۔

جمال خاشقجی کیس میں روز آنے والا یا موڑ ترک صدر ایرواداں کی سفارتی مہارت کا عمدہ نمونہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ میڈیا کو تفصیلات شیرک نے کی پہلیات ایرواداں ذاتی طور پر دیتے رہے۔ کیا جاری کرنا ہے اور کب کرنا ہے، ایرواداں کے فیملے تھے۔ امریکا اور سعودی عرب کے تعلقات کو بڑا جھکا دینے کے بعد ایرواداں نے مزید تفصیلات کا اجراء کو دیا تھا۔ جب ٹرمپ نے سعودی بیان کو قابلِ اعتقاد کہا تو ایرواداں نے ایک بار پھر تفصیلات افشا کرنا شروع کر دیں۔ اب ترک صدر نے اعلان کیا ہے کہ وہ خاشقجی کیس کی تفہیش تمام جزویات کے ساتھ دنیا کے سامنے لائیں گے۔ کسی طرح کی رعایت نہیں برپی جائے گی۔ صدر ایرواداں نے شام سمیت مشرق وسطیٰ میں محمد بن سلمان کی پالیسیوں کا بدله بھر پور طریقے سے چکایا ہے۔

انتہبول آپیشن کے بعد بین الاقوامی ریڈل پر ناتحریک کار شہزادہ محمد بن سلمان سمجھنیں پا رہا تھا کہ جمال خاشقجی کی گشادگی اتنا بڑا معاملہ یکے بن گئی۔ خاشقجی کی گشادگی کے آٹھویں روز ۱۰ اکتوبر کو محمد بن سلمان نے اپنے دوست، ٹرمپ کے داماد جارڈ کشنر کو فون کیا اور سوال کیا کہ اس قدر غصہ کیوں ہے؟ جارڈ کشنر ساتھ قومی سلامتی مشیر جان بوٹن بھی موجود تھے، جارڈ کشنر نے محمد بن سلمان کو سخت پیغام دیا اور کہا کہ معاملے کی تہیک پہنچنے کی ضرورت ہے۔

رپورٹ کے مطابق ولی عہد کی پریشانی غصے میں بدل گئی اور ان کا کہنا تھا کہ مغرب نے ان کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ وہ اب نئے دوست تلاش کریں گے اور کسی بھی ثبوت سے پہلے اپنے مخالف ہونے والوں کو کبھی نہیں بھولیں گے۔ محمد بن سلمان نے خاشقجی کے قتل کے بعد فوری تحقیقات کے اعلان کے بعد آئی جن ایجنسیوں، وزارت خارجہ اور سیکورٹی اداروں کی ایک ایکی بیانی اور لمحہ بچھر پوٹس لیتے رہے۔

محمد بن سلمان نے چھوٹے بھائی خالد بن سلمان کو داٹشنس سے واپس طلب کر لیا ہے اور انہیں فوری طور پر اتنی جن چیف بنانے کے ارادہ رکھتے ہیں۔ خالد بن سلمان کی واپسی پر یورپی ائمیں جن ایجنسیوں کی رپوٹس ایک مختلف تصور کی شیرکی کر رہی

ٹرمپ تو جیسے محمد بن سلمان کے عشق میں گرفتار ہو گئے تھے مغرب کے ساتھ ان کے یہ روابط شاہی خاندان میں ان کے خانگین کو لکھ کر رہے تھے۔ شاہی محل پر پہرے ٹھانے سے سینٹر شہزادوں کی شاہ سلمان تک رسائی بھی محدود ہو گئی تھی۔

شہزادوں کے تھفاظات اور ٹکایات سننے والا کوئی نہیں تھا۔

اور جامع ہیں اس بحث میں پڑے بغیر یہ واضح ہے کہ خاشقجی کے قتل کی وجہ سے محمد بن سلمان کی انتظامی صلاحیتوں پر بہت بڑا سوال اٹھ کر ہوا ہے۔

شاہ سلمان نے اس مشکل وقت میں معاملات دوبارہ

باتھ میں تو لے لیے ہیں لیکن کیا وہ اس معاملے کو بالکل اسی طرح سنگال سکیں گے جیسے وہ بحیثیت گورنر کش شہزادوں کو قابو کرتے رہے ہیں؟ ایک رپورٹ کے مطابق شاہی محل سے وابستہ ذرا لئے کہنا ہے کہ شاہ سلمان کی گرتی ہوئی صحت معاملات کے مکمل کثرول میں رکا داٹ ہے۔

۱۹۳۲ء سے قائم سعودی ریاست میں کئی موقع پر شاہی خاندان میں اختلافات ہوئے، قتل و غارت گری بھی ہوئی۔

اندر وہی معاملات جیسے بھی رہے سعودی عرب کو بھی دنیا سے معاملات میں ایسے پیچیدہ اور نازک مسائل کا سامنا نہیں رہا۔ اس وقت معاملہ اقدار کی نکملش سے زیادہ محمد بن سلمان، ترکی افسوس اور شاہ عبداللہ کے خاندان میں پائی جانے والی نکملش کا حصہ تھے۔

جمال خاشقجی اخوان المسلمون کے ہمدرد تھے اور عرب دنیا

میں تبدیلی کے لیے مغرب کی برپا کی گئی ”عرب بہار“ کی ناکامی پر دلبرداشت تھے۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ چند اصلاح پسندوں کے ساتھ کر رکھتے تھے۔ جمال خاشقجی ترکی میں مستقل سکونت کا ارادہ رکھتے تھے اور ایرواداں کے قریب تصور کیے جاتے تھے۔ جمال خاشقجی ترکی سے ایک ٹوی وی چینل کی لاپچگ کا بھی رکھا رکھتے تھے اور اس منصوبے کو بھی مبینہ طور پر ترک صدر کی حمایت حاصل تھی، جو خود اخوان المسلمون کے ہمدرد ہیں۔

ترک صدر ایرواداں کو جمال خاشقجی کے معاملے پر جب ان کے ائمیں جن چیف نے بریونگ دی تو صدر کا اپنے دوست کے قتل پر صدمہ غصے میں بدل گیا۔ ترک صدر نے فوری طور پر سعودی سفارت کاروں کو طلب کر کے ان کے ساتھ شاہزادہ شیرک نے کی ہدایت کی۔ ۶۰ اکتوبر کو ترک حکام سے سعودی سفارت کاروں نے اپنی ملاقات کی، جو خوشنگوار نہیں تھی۔ سعودی سفارت کاروں نے فوری طور پر خاشقجی کے بارے میں اعلیٰ کاظہار کیا۔ سعودی سفارت کاروں کی اعلیٰ حقیقی بھی ہوتی ہے، جو انتہبول کی بجائے انقرہ میں بیٹھے تھے اور واقعات ان کے علم میں نہیں تھے۔ اس دن نصف رات تک ریاض سے بھی کوئی ریڈل نہ آیا۔ ترک نے اپنے پہلا کارڈ کھیلا اور برطانوی خبر ساری ایجنسی کو بتایا کہ خاشقجی قبول خانے کے اندر قتل ہوئے ہیں۔ ترک حکام نے رازداری کی شرط پر تفصیلات شیرک کرنا شروع کر دیں اور کہا کہ خاشقجی نے

اور کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے محل میں نظر بند ہیں۔ سعودی عرب کی خارجہ پالیسی بھی بندرو روازوں کے پیچھے مذاکرات، ڈیل اور ظاہر خاموشی پر مبنی تھی، اور محمد بن سلمان نے یہاں بھی جارحانہ انداز اپنایا۔ یعنی جنگ چھپڑی، لہنافی و زبر اعظم کو یقیناً رکھا، قطر اور کینیڈا کے ساتھ تعلقات توڑے۔ سعودی عرب کی خارجہ پالیسی کو معاشری سودوں پر استوار کیا اور تشبیہ کی خاطر خاتم کو مدد و آزادی دی۔

محمد بن سلمان کی صورت میں مغرب کو ایک ایسا ہمانا نظر آیا، جو قدامت پسند ریاست کی پالیسیوں کو یکسر بدل کر مشرق وسطیٰ میں ان کے ایجادنے کے کوئے بڑھا سکتا ہے۔ امریکی صدر

ان حالات میں سعودی عرب کو ایک نیا چہرہ درکار ہے، جو شاہ سلمان اور ان کے خاندان کے نزدیک سب سے پہلی ترجیح خالد بن سلمان ہوں گے۔ خالد بن سلمان مستقبل میں کسی موقع پر وہی عہد کو پٹا کر خود بھی آگے آسکتے ہیں، جیسے محمد بن نائف کو ہٹایا گیا۔ محمد بن سلمان اس کوشش کی مزاحمت کر سکتے ہیں۔ شاہ سلمان کا کردار اس معاملے میں اہم ہو گا۔ خالد بن سلمان کو نائب ولی عہد بنانا قابلی مدتنی حل ہے اور محمد بن سلمان کو آگے لانے جیسی غلطی بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

سعودی عرب میں کامیاب باڈشاہت کا راز شہزادوں کو طویل عرصے تک باڈشاہت کے لیے تیار کیا جانا ہے۔ ہر نائب ولی عہد کی مرحلے سے گزر کر ولی عہد بنتا تھا اور اس کے بعد بھی طویل عرصہ بھیتیت ولی عہد تینیں عمل سے گزرتا تھا۔ محمد بن سلمان کو کڑی تربیت کے بغیر ہی امور سلطنت سونپنے گئے اور ولی عہد کی ناجائز کاری نے ریاست کو یہ دن دکھائے۔

سعودی عرب کے پاس دوسراست یہ ہے کہ وہ ٹرمپ کی حمایت اور مدد برقرار رکھنے کے لیے ۱۱۰ ارب ڈالر کے دفاعی سودے کی پہلی قسط فوری طور پر جاری کر دے۔ دفاعی سودے کو آگے بڑھا کر شاہ سلمان تی آئی اسے اور امریکی اسلحہ ساز لامبی کی سازشوں کے مقابلے لیے کچھ مہلت بھی حاصل کر لیں گے۔

(حوالہ: ”دان نیوز“، ۲۲ نومبر ۲۰۱۸ء)

قارئین کی آراء

السلام علیکم!

”یکساں نظامِ تعلیم کا معاملہ“، اچھا مضمون ہے، یکساں نظامِ تعلیم کا مطلب ہے کہ ہر بچے کو ان بنیادی امور کا علم ہونا چاہیے، جس کا تعلق دین، ملت، وطن، معاشرہ، خاندان، اخلاق، کردار اور آداب معاشرت کے ساتھ ہے۔ پہلے پانچ سال ساری تعلیم اپنی قومی زبان میں ہو اور یہ تمام موضوعات اپنی زبان میں پڑھائے جائیں۔ یہ ان کے اخلاق و کردار کی بنیاد بننے کی۔ کوئی قوم اس کے بغیر قوم نہیں کہلا سکتی۔ اس کے بعد آپ جتنی مرضی زبانیں سیکھیں۔ جھوٹے بچے کا ذہن صاف سیلیٹ کی مانند ہوتا ہے، اس لیے ادب کرنا، سچ بولنا، معاف کرنا، اپنا کام ایمانداری سے سرانجام دینا۔۔۔ لائچ، حسد، تکبر اور نفرت سے دور زندگی بس کرنا۔ یہ بنیادی تعلیم ہمیں آدمی سے انسان بناتی ہے، یہ اوصاف موجود ہوں تو انسان جینا سیکھ لیتا ہے۔ ۔۔۔ ڈاکٹر شفقت نقوی

امریکا کا سخت رو عمل جمال خاشقجی کے قتل اور انسانی حقوق سے نہیں بلکہ اس دفاعی سودے سے جڑا ہے، جس کی کمی ڈیلائیشن گر بچکی ہیں۔ امریکا میں وہ طرح کی سوچ ہے، ایک سوچ ہی آئی اے اور اسٹبلیشمیٹ کی ہے جو محمد بن سلمان کو ولی عہد نہیں دیکھنا چاہتی جبکہ وہری سوچ ٹرمپ کی ہے جو محمد بن سلمان پر جواہریں رہے ہیں۔ سی آئی اے محمد بن نائف کا اقتدار میں لانا چاہتی ہے، جو ۲۲ برس سے زائد عرصہ اپنی جنیں چیف رہے، امریکا اور یورپ دونوں کی ایجنسیاں ان پر اعتماد کرتی ہیں۔

ان دوقوتوں کے علاوہ تیسری قوت یا الابی امریکی الحس سازوں کی ہے۔ ۱۱۰ ارب ڈالر سن کروہ تھک پکے اور ہاتھ کچھ بھی نہیں آ رہا۔ امریکی اسلحہ ساز لامبی کوئی تھک ہے کہ سعودی بڑے دفاعی سودے کا جہان سدے رہے ہیں۔ سعودی دفاعی سودے کی پہلی ڈیل لائن اس سال ۳۳ ستمبر کو ختم ہوئی۔ سربراہ بھی رہ پکے ہیں، محمد بن سلمان کو ولی عہد کے عہدے پر نہیں دیکھنا چاہتے۔ امریکی صدر اور ان کے داماد جارڈ شنر محمد بن سلمان کو ہٹانے کے حق میں نہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ امریکی وزیر خارجہ نے جمال خاشقجی کے قتل کے بعد ریاض کا جودورہ کیا اس کا مقصد صرف یہ جاننا تھا کہ محمد بن سلمان کو ہٹانے کی کوئی بات ہو رہی ہے یا نہیں؟ اس طرح کی کسی بھی بحث میں امریکا براہ راست شامل ہونے کا خواہاں ہے۔

سی آئی اے کے ساتھ وابستہ رہنے والے مشرق و سطحی کے ماہر بروس ریٹل کا کہنا ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ محمد بن سلمان کے ساتھ قطع تعلق ہرگز نہیں کرے گی۔ امریکا شاہی خاندان میں پائی جانے والی بچپنی سے آگاہ ہے۔ امریکی صدر کو محمد بن سلمان کے بارے میں مشکوک ہو سکتے ہیں اور وہ اس معاملے پر پردہ ڈالنے کی کسی بھی کوشش کا حصہ نہیں بنیں گے، تاہم مائیک پومپیو جو بھی چاہتے ہوں وہ ٹرمپ کی مرضی کے خلاف نہیں جائیں گے۔

امریکی صدر ڈالنڈ ٹرمپ کی مشرق و سطحی متعلق پالیسی کا دار و مار مکمل طور پر محمد بن سلمان پر ہے۔ ایران کو قابو میں رکھنے کے لیے انہیں سعودی مدد کی ضرورت ہے۔ میشیٹ کی بہتری کے لیے بھی وہ سعودی عرب کے ۱۱۰ ارب ڈالر سودے پر آس لگائے بیٹھے ہیں، جس کے ذریعے ٹرمپ کے خیال میں امریکا میں ملازمت کے ۵ لاکھ مواقع پیدا ہوں گے۔ ۱۱۰ ارب ڈالر کے دفاعی سودے کی حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف اظہار ڈپچی کے خطوط تک محدود ہے۔ ابھی تک کوئی باضابطہ معاهدہ نہیں ہوا۔

عاليشان رام مندر کی تغیر کے لیے قانون سازی کی تجویز پیش کر کے اس کو ایک انتخابی موضوع بنانے کا عنید یہ دے دیا ہے۔ اس ماہ کے اواخر میں جب پریم کورٹ میں اس مقدمہ

کی سماعت شروع ہوگی، تو کارروائی کے دوران داخل و پیش کردہ شواہد کی میڈیا کے ذریعے تباہ کر کے موضوع کا تجسس تک خوب گرم رکھا جائے گا۔ اس طرح کشمیر میں بے یقینی کی آگ جلائے رکھنا بھی ملک میں ہندوؤں کو خوف کی نفیات میں بنتا کر کے تباہ کا ماحول برقرار رکھنے کے پلان کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں تعلیم و ترقی کے بجائے سکیورٹی کا احساس زیادہ گھر کر گیا ہے، جو ایک خطرناک عالمت ہے۔ اب اگر غلام نبی آزاد اور احمد پیل جیسے مقتندر مسلمان راہنماء، جنہیں بھارت کے سیکولر چہرہ کو وقار بخشنے کے لیے اکثر رول ماؤنٹ کے بطور پیش کیا جاتا تھا، اب سیاسی بے قسمی کارروائیوں کے باہم مسلمان کا کیا حال ہوگا۔ ویسے عام مسلمان تو پہلے سے ہی ایسے اشخاص سے کتنا ہوتا تھا اور ان کو ”سرکاری مسلمان“ کے نام سے نوازتا تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق و اکٹ چانسلر یفسینہ جزل (ر) غمیر الدین شاہ نے اپنی حال ہی میں شائع سوانح حیات کا سرور ق ”سرکاری مسلمان“ رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بد قسمتی سے ان کا سامنا کئی ایسے کامیاب مسلمانوں سے ہوا ہے، جو اپنے سیکولر ہونے کا بھرم رکھنے کے لیے مسلم فرقہ سے دور ہنپسند کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک مسلم افسروں کی کمیونٹی کے مقابلہ اور اپنی نوکری کے درمیان خاصی تنگ رہی پر چنان پڑتا ہے اور اکثر اپنی نوکری کو ترجیح دے کر اپنے ہم ندیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں۔ شاہ صاحب فوجی جزل کے علاوہ بالی و وڈے کے معروف اداکار غمیر الدین شاہ کے بھائی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب ان کے والد کو بھیتیت ایڈمنیسٹریٹ اجیزہ بھیجا گیا تو ہاں مسلمانوں کا دعمل تھا کہ ایک اور ”سرکاری مسلمان“ آگیا۔ مطلب پوچھنے پر ان کے والد نے بتایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بڑے سرکاری عہدہ پر پہنچ جاتا ہے تو لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اب ان کا خیر خواہ نہیں رہا، اب یہ حکومت کی زبان بولے گا اور عام مسلمانوں سے کٹ کر رہے گا۔ خیر اب تو یہ حال ہے کہ پچھلے چار سالوں میں دہلی میں اور گل زیب روڈ کا نام تبدیل ہو گیا ہے۔ گورکھوں کا اردو بازار، ہندو بازار ہو گیا ہے، ہماں یوں گمراہ پچھلے سال ہنومان گنگر ہو گیا، اتر پردیش اور بہار کی سرحد پر تاریخی مغل

باقی صفحہ نمبر ۱۶

بھارت میں مسلمانوں کی سیاسی بے وزنی

انختاری گلائی

مطلوب تھا کہ وہ کسی میٹنگ میں مصروف نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ راما چندر ران جی انتظار گاہ میں آرہے افراد کو ایک ایک

کر کے یا وفد کی صورت میں وزیر کے کمرے میں لے جا رہے تھے۔ میں نے ان کو یاد دیا کہ وزیر موصوف نے خود مجھے بلا یا ہے۔ قرباً ایک گھنٹے تک ظراہ نہ کرنے کے بعد پی اے نے مجھے اپنے کمرے میں بلاؤ کر پرسوں ملاقات کے لیے آئے کو کہا۔ کیونکہ کل وزیر دہلی سے باہر ہیں۔ میرے بار بار کے اصرار پر وجہ یہ بتائی کہ آج ملقاتیوں کی فہرست میں مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مذکورہ راہنماء دل کے پچھوٹے کھول دیے۔ ان کا کہنا تھا ۱۹۷۴ء میں کانگریس میں شمولیت کے بعد سے لے تو ازان رکھنا پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم ایک سیکولر ملک میں ہیں اور اس کا تقاضا ہے کہ وزیر سے ملنے والوں کی فہرست بھی سیکولر ہو۔ آج کی فہرست میں ہندو ملقاتیوں کی تعداد کچھ کم ہے۔ راما چندر ران کی توضیح سن کر میں چکرا گیا۔

لیکن جاتے جاتے ان کو بتایا کہ آزاد اصحاب خاص طور پر اس وقت وزارتی کو نسل میں صرف مسلمان اور کشمیری ہونے کی

حیثیت سے ہیں۔

پچھلے سال وزیر اعظم نریندر مودی کے آبائی صوبہ گجرات میں کانگریس نے بی بے پی کو ہروا نے کے لیے جہاں پوری مشینی جھوٹ دی تھی، ویس کارکنوں کو باضابطہ ہدایت دی گئی تھی کہ اسٹچ کوئی مسلم لیڈر بر ایمان نہ ہو۔ حتیٰ کہ گجرات سے کانگریس کے مقتندر لیڈر اور سونیا گاندھی کے سیاسی مشیر احمد پیل کو پس پر دہ رہنا پڑا۔ امیدواروں کو بتایا گیا تھا کہ وہ مسلم مخلوں میں ووٹ مانگنے نہ جائیں اور جلے، جلوسوں میں بھی دائرہ ویوپی والوں کو اگلی صفوں میں نہ بھائیں۔ کچھ اسی طرح کی حکمت عملی کانگریس اب اگلے ماہ ہونے والے پانچ صوبائی ایمبلیوں کے لیے انتخابی مہم میں اپنا رہی ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی اور ان کے دست راست بی بے پی کے صدر امیت شاہ نے تقریباً طے کیا ہے کہ بڑتی ہوئی معیشت، بے روزگاری اور کرپشن سے عموم کی توجہ بہانے کے لیے پولا رائزین بھترین ہتھیار ہے۔ ہندو مسلمانوں کا خوف دلا کر ان کو سیکھا کر کے مسلم ووٹ بینک کی ہوا نکالی جائے۔ ہندو اپنے پندوں کی مربی تظمیم اشتریہ سیویم سیوک سنگھ یعنی آر ایس ایس کے سربراہ موبین بھاگوت نے اتر پردیش کے شہر ایودھیا میں مسماں شدہ بابری مسجد کی جگہ ایک

بھارت میں مسلمان کسی حد تک سیاسی بے وزنی کا شکار ہو چکے ہیں کہ کانگریس کے مقدار راہنماء اور ایوان بالا میں قائد حزب اختلاف غلام نبی آزاد کوشکوہ کرنا پڑا کہ ان کی پارٹی کے ہندو ارکین اب ان کو اپنے حلقوں میں جلسے اور جلوسوں میں مذکور نے سے کتراتے ہیں۔ لکھنؤ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مذکورہ راہنماء دل کے پچھوٹے کھول دیے۔ ان کا کہنا تھا ۱۹۷۴ء میں کانگریس میں شمولیت کے بعد سے لے کر آج تک انہوں نے ہر انتخابی مہم میں شرکت کی ہے اور ہندو راہنماء ان کو اپنے انتخابی حلقوں میں لے جانے کے لیے بے تاب ہوتے تھے۔ پہلے جہاں جلسے جلوسوں میں ان کو مذکور نے کے لیے ۹۵ فیصد درخواستیں ہندو راہنماء کی آتی تھیں، اب پچھلے چار سالوں میں سکر کر محض ۲۰ فیصد رہ گئی ہیں۔ آزاد، جموں کشمیر کے ضلع ڈوڈہ میں ایک مقامی کانگریسی لیدر کے گھر پیدا ہوئے، مگر اپنے انتخابی کیریئر کا آغاز ۱۹۸۰ء میں مہاراشٹر کے ہندو اکثریتی لوک سمجھا حلقة واس سے کیا۔ وہ ۱۹۸۴ء میں دوبارہ اسی نشست سے منتخب ہوئے۔ اکثر فرما یہ کہتے تھے کہ ان کا سیاسی کیریئر اتفاقی سیاست کے بجائے بھارت کے سیکولر ہندو اکثریت کا مرہون منت ہے۔ ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۸ء تک جہاں وکشمیر کے وزارت اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے علاوہ غلام نبی آزادی دہلی میں سینئر مرکزی وزیر اور کانگریس کی اعلیٰ فیصلہ ساز مجلس کانگریس ورکنگ کمیٹی کے برسوں تک رکن اور پارٹی کے جزوں سیکڑی بھی رہے ہیں۔ ایک روز صحیح سویرے ان کا فون آیا کہ کسی وقت ان سے دفتر میں آ کر بلوں۔ کشمیر ناگزیر کے دہلی بیورو کے لیے کام کرنے کی وجہ سے ان کو کور کرنا یہٹ کا ایک حصہ تھا۔ خیر آس جاتے ہوئے میں نہ مان بھومن میں وزارت صحت کے ہیڈ کوارٹرز پہنچا اور ان کے پی اے راما چندر ران کا دروازہ کھلکھلایا، جس نے مجھے انتظار گاہ میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ جنوبی بھارت کا یہ سانوالا گھٹ جسم کا مالک پی۔ اے ان کا خاصہ نک چڑھا ملازم تھا۔ میں نے دیکھا کہ وزیر موصوف کے کمرے کے باہر سبزی جل رہی تھی، جس کا

بھارت میں سرکاری اسکولوں کی حالتِ زار

چلاتے تھے۔ ان کے مطابق حکام نے ان سے اسکول کی رجسٹریشن کے لیے رشوت طلب کی۔ ان کے انکار کرنے پر ان کا اسکول بند کر دیا گیا۔ دیگر اسکول ماکان نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ایک اسکول مالک کا کہنا تھا کہ اس نے اسکول کی رجسٹریشن کے لیے ایک لاکھ روپے ”عطیہ“ دیا ہے۔ ملی جسے شہر میں جہاں آبادی دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے، جسی اسکولوں کو بند کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن شہر کی حکمران جماعت عام آدمی پارٹی نے جسی اسکولوں کے لیے فیسوں میں اضافے کی شرح کو مدد و کردیا ہے۔ مکمل طور پر اس اقدام سے تعلیم کے شعبے میں سرمایکاری متاثر ہو سکتی ہے۔

عام آدمی پارٹی نے سرکاری اسکولوں کی بہتری کے لیے ایک اور قدم اٹھایا ہے۔ وہاں کے وزیر تعلیم منش سوڈیا کے سابق مشیر کا کہنا تھا کہ ”سرکاری اسکولوں کی حالت ہماری امید سے زیادہ خراب تھی۔ بیت الحلاکی بدبو کلاسوں تک آتی تھی، اساتذہ اور طالب علموں کا نام و نشان تک نہ تھا۔“ منش سوڈیا نے اسکولوں کے غیر اعلانیہ درے شروع کیے ہیں۔ خیال کیا جا رہا ہے کہ اس سے اسکولوں کی کارکردگی بہتر ہو گی۔ ان کا کہنا ہے کہ اب سرکاری اسکولوں کی کارکردگی جسی اسکولوں سے بہتر ہو گئی ہے۔ تاہم کسی بھی استاد کو فون کری سے نہیں کھلا لگایا کیوں کہ اساتذہ کی انچینیں سیاسی طور پر بہت مضبوط ہیں اور وہ کسی بھی ایسی اصلاح کو مسترد کر دیتے ہیں، جس سے ان کی توکری کو خطرہ ہو۔

راجستھان حکومت کم ہوتے ہوئے داخلوں کی وجہ سے ۸ ہزار سرکاری اسکولوں کو بند اور ایک ہزار اسکولوں کو دوسرے اسکولوں میں ضم کر چکی ہے۔ راجستھان میں سال ۲۰۱۳ء تک سرکاری اسکولوں کی تعداد ۸۲ ہزار تھی جو ۲۳ ہزار ہو گئی ہے۔ یہاں ہمیڈ ماسٹروں کو بھی تک کسی استاد کو رکھنے یا نوکری سے نکالنے کا اختیار نہیں ہے۔ البتہ وہ ان کی شکایت ضرور کر سکتے ہیں۔ حکام کا کہنا کہ وہ ہمیڈ ماسٹروں کو اساتذہ کے خلاف انضباطی کارروائی کرنے کا اختیار دینے کا سوچ رہے ہیں لیکن یہ بہت حساس معاملہ ہے۔ اس وقت کم از کم اتنا ضرور ہو رہا ہے کہ اساتذہ اسکول آرہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔

rajasthanshiksha.com سے تعلیمی نظام کو بہتر کرنے کے لیے ایک اور مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایک ہی جماعت کے طالب علموں کا معیار اور صلاحیتیں میساں نہیں ہیں۔ آٹھویں جماعت کے بھی کچھ ایسے طالب ہیں جنہیں پڑھنا نہیں آتا۔ رواں سال سے حکومت نے ”پرچم“ نامی غیر سرکاری ادارے کے ساتھ ایک پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ اس

کم ہو کر ۱۰ کروڑ ۸۰ لاکھ ہو گئے۔ یونیورسٹی کالج لندن کی پروفیسر لیتا گلنڈن، جو گھنٹوں میں ایک جسی اسکول بھی چلاتی ہیں، کا کہنا ہے کہ جسی اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کی اصل تعداد کمیں زیاد ہے، کیوں کہ اکثر اسکول حکومت سے رجسٹر نہیں ہیں۔ اس تبدیلی کی دو وجہات ہیں۔ پہلی وجہ تو نظام تعلیم کی ناکامی ہے۔ بھارت میں اسکولوں کا معيار کس حد تک گرفقا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگا جاسکتا ہے کہ بھارت کی ”دو ریاستوں نے اسکولوں میں تحصیل علم کے عالمی مقابلوں میں شرکت کی۔ مقابلوں میں دنیا کی کل ۲۷ ریاستیں اور شہر شال تھے، جن میں سے بھارتی ریاستوں کا نمبر ۲ ہے اور ۷ رہا۔“ دوسری وجہ انگریزی ذریعہ تعلیم کی بڑھتی ہوئی مقبولیت ہے، جس کی وجہ معاشرے میں انگریزی زبان کی اہمیت اور عالمی سطح پر اس کی قبولیت ہے۔ جسی اسکولوں کی اکثریت انگریزی میں تعلیم دینے کا دعویٰ کرتی ہے۔ سرکاری اسکولوں میں داخلوں کی کم ہوتی ہوئی تعداد بھارتی ریاستوں کے وزراء اعلیٰ کے لیے شرمندگی کا باعث ہے۔ ریاست اتر پردیش کے ڈائریکٹر آف ایجوکیشن ”سرور دیر و کرم سنگھ“ کا کہنا تھا کہ ”جب میں بیٹھتے تھے انھیں ۵۰ ہزار اور ۴۰ ہزار روپے مانہ تھوڑا ملتی ہے۔ جب کہ اتر پردیش میں اوسطًا مانہ آمدی ۳۶۰۰ روپے ہے۔ اس اسکول میں ۲۳ بچے داخل ہیں۔ جس روز ہم نے اسکول کا دورہ کیا اس دن ۵ بچے حاضر تھے۔ میلے باس میں یہ بچے کمہ جماعت کے فرش پر بیٹھے اپنی کتابوں کو تک رہے تھے۔ انھیں کوئی نہیں پڑھا رہا تھا۔ اسکول میں موجود ۲۰۱۳ء اساتذہ صحی میں بیٹھتے تھے انھیں ۵۰ ہزار اور ۴۰ ہزار روپے مانہ تھوڑا ملتی ہے۔

بھارت کی ریاستی حکومتوں دو طرح سے اپنار عمل غاہر کر رہی ہیں۔ ایک طریقہ تو رائٹ ٹاؤ ایجوکیشن ایکٹ (RTE) کا نفاذ ہے۔ اس ایکٹ کی رو سے تمام اسکولوں کو لائنس حاصل کرنے کے لیے کچھ شرائط کو پورا کرنا ہو گا۔ ان شرائط میں، لائبریری، باور پی خانہ اور ہر استاد کے لیے ایک کلاس روم شامل ہے۔ گوکر سرکاری اسکول بھی ان شرائط پر پورا نہیں اترتے لیکن اس ایکٹ کا استعمال صرف جسی اسکولوں کے خلاف ہی ہوتا ہے۔ شیوندن سنگھ ریاست اتر پردیش کے شہر لکھنؤ کے ایجوکیشن آفیسر ہیں۔ ان کی زیر گرفتنی ۲۱۵ سرکاری اسکول اور ۲۰۰ رجسٹر جسی اسکولوں ہیں۔ اس سال انھوں نے ۲۰ غیر جسٹر جسی اسکول بند کیے ہیں اور تیوار مزید ۱۶۹ اسکولوں پر لٹک رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ”اب تک ہم نے ان اسکولوں کے ساتھ زمی اختیار کی ہوئی تھی، لیکن اس سال سے RTE سے نافذ کیا جا رہا ہے۔“

بھارت میں ایک عرصے سے بڑے اور مبنی جسی اسکول موجود ہیں۔ لیکن گزشتہ ہائی میں چھوٹے اور سستے جسی اسکولوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ ۲۰۱۰ء سے ۲۰۱۱ء کے درمیان ان جسی اسکولوں میں ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ طالب داخل تھے۔ ۲۰۱۱ء سے ۲۰۱۲ء کے درمیان یہ تعداد بڑھ کر ۴ کروڑ لاکھ ہو چکی تھی۔ اس کے بر عکس سرکاری اسکولوں کے داخلے ۱۲ کروڑ ۲۰ لاکھ سے

پردولیش اور راجستھان کے سرکاری اسکولوں میں داخلہ بڑھے ہیں۔ لیکن یہ سوال زیادہ ہم ہے کہ اقدامات تحریک علم پر کس طرح اثر انداز ہوں گے۔ بھارتی حکومت اس بارے میں سنجیدگی سے اعداد و شمار جمع کر رہی ہے کہ کیا اسکولوں میں بچے والقی کچھ سکھ رہے ہیں یا نہیں۔ آئندے والے چند سالوں میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بچوں کو جنی اسکولوں میں جانے سے روکنے کی اس مہم نے بھارتی نظام تعلیم کو ”بہتر“ کیا ہے یا ”بدتر“۔ (ترجمہ: محمد فاروقی)

"The War On Private Schools".
("The Economist". Oct. 13, 2018)

جگہ عظیم کے بعد امریکا اور برطانیہ کی اٹلی جنس کے اتحاد سے ممکن ہوا، یہ دنیا کا مضبوط اٹلی جنس اتحاد ہے۔ یہ اتحاد چین کی طاقت کے حصول کے خفیہ طریقہ کار پر اس قدر سنجیدہ ہے کہ اب دوسرا ممالک کو بھی اس اتحاد میں شامل کیا جا رہا ہے۔

جان واث نے مزید کہا کہ یہ ورنی طاقت کی مدد مغربی دنیا کے لیے ایک مسلسل خطہ ہے، گو کہ یہ خطرہ یا نہیں ہے، لیکن یہیں الاقوامی معیشت اور طاقتور جدید سوشل میڈیا کا باہم رابطہ جمہوری ممالک کے لیے مزید خطرات کا ایک اعلان ہے۔ ”فایو آئی“ ممالک اپنی انجینیئرنگ کو مزید مضبوط اور موثر بناتے ہوئے اس موقع کی تلاش میں ہیں کہ جب وہ جنگ کی خفیہ سرگرمیوں کا مقابلہ کر سکیں۔ آسٹریلیا نے چین کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے قوانین اور اپنی اٹلی جنس انجینیئرنگ کو مضبوط کیا ہے۔ ستمبر کو نیویارک نائٹرنے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ فایو آئی ممالک نے جدید یکناں لوگی کے اداروں کو خردار کرتے ہوئے ان سے خفیہ ای میل اور پیغامات تک قانونی طور پر رسانی مانگی ہے تاکہ ان ممالک کی خفیہ ایجنسیاں ان خفیہ پیغامات تک پہنچ سکیں جنہیں چین اپنی طاقت بڑھانے کے لیے استعمال کر رہا ہے۔

جان واث کے مطابق بینگ جس طرح اپنی مضبوط معیشت، یہیں الاقوامی رابطہ اور جدید یکناں لوگی کے ذریعے کام کر رہا ہے اسی طرح مغربی ممالک یا ”فایو آئی“ کوں کر رہا ہمی ہم آئنگی اور جامعیت کے ساتھ جواب دینا چاہیے۔ خفیہ معلومات کے اشتراک کے ذریعے فایو آئی اور دیگر ممالک چین کی خفیہ سرگرمیوں کے ذریعے طاقت کے حصول کے آگے ایک مضبوط رکاوٹ کھڑی کر سکتے ہیں۔ (ترجمہ: سمیا ختر)

"United States, intelligence allies expand effort to contain Chinese influence".
("atlanticcouncil.org"). October 12, 2018)

جونہ ہی ان کے گھر میں بولی جاتی اور نہ ہی وہ اسے کہیں اور سنتے ہیں۔ چھوٹے بچوں کو انگریزی میں ہی تعلیم دی جا رہی ہے، لیکن تیسری سے پانچوں جماعت کے بچوں کے لیے دو لسانی نظام ہے۔ اگر ان کو صرف انگریزی میں پڑھایا جائے تو وہ بچہ بھی نہیں سمجھیں گے۔ یہاں تک کہ پانچوں جماعت کے بچوں کو "Chlorophyll" اور "Photosynthesis" جیسی اصطلاحات سمجھتے میں مشکل پیش آتی ہے۔ لیکن اس اقدام سے اسکول میں بچوں کے داخلوں میں اضافہ ہوا ہے اور اب ان کی تعداد اسے بڑھ کر ۱۸۵ ہو گئی ہے۔

ان اقدامات کے متوقع نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ اتر

پروگرام میں طلبہ کی درجہ بنندی ان کی عمر کے لحاظ سے معین جماعتوں کی جگہ ان کی صلاحیتوں کی بنندی پر کی جاتی ہے۔ کئی ریاستیں سرکاری اسکولوں کو مزید پہنچ بنانے کے لیے انگریزی زبان میں تدریس شروع کر رہی ہیں۔ ریاست اتر پردیش میں روایتی سال ۵ ہزار سال اسکولوں نے انگریزی زبان میں تدریس شروع کر دی ہے، جو کہ اساتذہ اور طالب علموں دونوں کے لیے چیلنج ہے۔ کروافی پر امریکی اسکول لکھنو کے ہیڈ ماسٹر کا کہنا ہے کہ اکثر والدین خود پڑھے لکھنے نہیں ہیں، ان کے بچوں کے لیے ہندی میں پڑھنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ آخر وہ کسی ایسی زبان میں کیسے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں،

”فایو آئی“، اتحاد، چین کے اثر و رسوخ کو محدود کرنے کی کوشش

David A Wemer

امریکا اور اس کے قریبی اتحادیوں نے پوری دنیا میں چین کے بڑھتے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے اپنی کوششی تیز کر دی ہیں۔ رائٹرز کی رپورٹ کے مطابق پانچ ممالک کا ”فایو آئی“ نامی اتحاد جس میں امریکا، کینیڈا، برطانیہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ شامل ہیں، اس سلسلے میں دوسرے ملکوں سے تعاون کی اپیل کے ساتھ حاصل معلومات کا تباہہ لکھی کر رہا ہے۔ امریکا اور چین کے درمیان پانی جانے والی تجارتی کشیدگی کے باعث اس وقت امریکا کی تمام تر توجہ چین کی طرف ہے۔ امریکا پوری دنیا کو چین کی معماشی قوت اور اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف متوجہ کر رہا ہے، ستمبر کو ٹرمپ نے قومی سلامتی کو نسل میں خطاب کے مطابق ”فایو آئی“ کے دو دن چین پر یہ الزام لگایا کہ چین امریکا کے وسط میں انتخابات میں دخل اندازی کر کے ”ری پبلکن“ کو ہرانا چاہتا ہے۔

”ٹالانک کو نسل“ کے سینئر کن جان واث کے مطابق چین کا طریقہ جاسوئی ارزاس قیمت پر موثر ترین طریقہ ہے، جس کے نتائج بھی غیر واضح یا بہم ہوتے ہیں۔ اس صورتحال میں چین کی حوصلہ لٹکنی ضروری ہے، ورنہ دوسرا قویں بھی اسی راستے پر چل پڑیں گی۔ جان واث کا مزید کہنا تھا کہ چین کا اندازایا ہے جیسے یہ سب بہت مشکل ہے لیکن دوسرے ممالک کے مقابلے میں چین کا طریقہ اہم اور موثر طریقہ ہے۔

اس حوالے سے یچیدہ ہوئی صورتحال اور بینگ کے کامیاب طریقہ جاسوئی کے پیش نظر ”فایو آئی“ کے اتحاد کو راز چوری کر رہا تھا، انھوں نے مزید کہا کہ ”چین اپنی طاقت کو دنیا بھر میں وسعت دینے کے لیے سیاسی، معماشی اور عسکری ذرائع استعمال کر رہا ہے اور ساتھ ساتھ پوپیگنٹے کے ذریعے بھی اپنی طاقت کو فروغ دے رہا ہے۔

چین امریکا سیاست اس کے قریبی اتحادی ملکوں میں اپنی طاقت کو بڑھانے کے لیے بھی خفیہ طریقوں کا استعمال کر رہا

مغربی نظریات پر مولا نامودودی کی گرفت

خان یاسر

نظریات:

عمل کے لیے کوئی تحریک نہ ہو فرض تو ہو سکتا ہے نظریہ نہیں۔ ایک ایسا عمل جس کے پچھے کوئی نکلنہ ہو، سرگردی تو ہو سکتا ہے مگر نظریہ نہیں۔ نظریہ اسی شے کا نام ہو سکتا ہے جو یہک وقت فردا اور سماج کو فکر بھی دے اور عمل کا پیغام بھی۔
مولانا مودودی کا تجزیہ:

کیا مولا نامودودی گویہ بات معلوم تھی کہ لفظ نظریہ کے ایسے محدود اور جامع معنی ہوتے ہیں؟ جی ہاں! ہر داشمن دادی کی طرح مولا نامودودی گھی یہ بات جانتے تھے خود انہوں نے نظریہ اور نظام کو ان محدود معنوں میں بھی استعمال کیا ہے مثلاً: ”میکیاولی نے اس نظریہ کی دکالت کی کہ سیاسی معاملہ میں اخلاقی اصولوں کا لحاظ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“، ”کلیسا اور جاگیرداری کے خلاف یہ جگ جن نظریات کی بنا پر اڑی گئی ان کا سوران تھا لبرزم“، ”لبرزم کے“۔۔۔ نظریہ پر جس معاشی نظام کی عمارت اٹھی اس کا نام جدید نظام سرمایہ داری ہے۔۔۔ کسی بھی مذہب، اخلاقی نظام اور قانون نے ”یہ نظریہ اختیار نہیں کیا کہ معيشت و قدن کی وہ صورت بجائے خود غلط ہے جو ذرا کچ پیداوار کی انفرادی ملکیت سے بنتی ہے“۔۔۔ سو شلسٹ ”اسکیم کو نافذ کرنے کے لیے آپ مجبور ہوں گے کہ سرے سے ایک نیا ہی نظریہ اخلاق وضع کریں، جس کے تحت ہر ظلم و جبر۔۔۔ جائز ہو۔۔۔ روس کی پولیس اور غیرہ ایجنسیوں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بھول پوک سے چند سیاچند ہزار بے گناہ آدمی پکڑے اور مار ڈالے جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ چند گھنگھاڑ جھوٹ جائیں“، فاششوں نے لبرزم کے اس نظریے کو بھی بالکل بجا طور پر روکر دیا کہ حکومت صرف پولیس اور عدالت کے فرائض انجام دے۔ ”اسلام نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے درمیان متوسط معاشی نظریہ اختیار کیا ہے۔۔۔“ کیا ہمارے پاس کوئی ایسی روشنی موجود نہیں ہے جس کی مدد سے ایک متوازن نظام بنایا جاسکتا ہو؟“

”۔۔۔ اسلام خود ایک نظام زندگی رکھتا ہے۔۔۔“ اس طویل تبہید سے صرف اس قدر رہا بت کرنا مقصود ہے کہ مولا نامودودی ”لفظ نظریہ“ اور ”نظام“ اور ان الفاظ اصطلاحات کی تہذیب اسے بخوبی و اتفاق تھے، مفترض ہیں عموماً ان اصطلاحات کے صرف تنگ تصور سے آشنا ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان اصطلاحات کو سچ بھئے میں مولا نامودودی خطا کر گئے۔

مغرب، مغربی افکار و نظریات، نفسیات اور تصور کا نکتہ کا ناقدانہ تجزیہ مولا نامودودی کی علمی و انشورانہ خدمات کا ایک روشن باب ہے۔ ہر طرح کی مرعوبیت سے مبراہو کر

مفہوم خامس و سادس میں ایک بار یہک سا فرق ہے۔

اے یوں سمجھیے کہ ایک آدمی (مفہوم خامس کے مطابق) صرف فلسفیانہ سطح پر کیونٹ ہے اگر وہ پولٹ یورو کی نشتوں میں پامرو دی دکھاتا ہے؛ جسے جلوسوں اور احتجاجوں میں شرکت کرتا ہے، سماج اور ریاست کو کیونٹ خلوط پر ڈھاننا چاہتا ہے لیکن اپنی ذاتی زندگی میں پوچاپاٹ کا اہتمام کرتا ہے، جیون پہننا ہے، ذات پات کی پابندیوں کو قبول کرتا ہے، خشوع و خضوع کے ساتھ ہوئی دیوالی ملتا ہے، اور عیش و آرام میں زندگی بسر کرتا ہے۔ (مفہوم سادس کے طبق) اگر وہ نظام زندگی کی سطح پر کیونٹ ہوگا تو اس کی زندگی میں یہ دورگی نہیں پائی جائے گی۔ وہ مارکس اور لینین کے سوے کے مطابق صرف اجتماعی نہیں اپنی ذاتی زندگی میں بھی ملھ ہوگا۔ سادگی سے زندگی بسر کرے گا۔ خاندان، سماج، اقدار، اور روایات کی پرانیں کرے گا۔ بھی معاملہ ان افراد کا بھی ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام ہمارا نظریہ زندگی ہے۔ اگر وہ صرف فلسفیانہ یاد انشورانہ سطح پر مسلمان ہیں تو اجتماعی زندگی میں۔۔۔ تحریر تقریب، احتجاج، نعروں اور فیس بک پر یہ اسلامیت نظر آئے گی لیکن بیٹی کو وراثت دیتی ہو، بیٹی کی شادی میں جہیز نہ لینا ہو، اسراف نہ کرنا ہو، بھر کی نماہی باجماعت پڑھنی ہو۔۔۔ تو اس سلسلے میں مدد بجه ذیل میں سے مشتمل کی مراد کیا ہے۔

مفہوم اول: اپنے نظریہ سے آپ صحیح ہیں لیکن میرے نظریے کے مطابق اپنے بھائی کے ساتھ کسی کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے۔ (اطور زادی پر نظرviewpoint/perspective)

مفہوم ثانی: ہاں کا نظریہ ہے کہ ایک عمرانی معابرے کے نتیجے میں ریاست کا ظہور ہوا۔ (اطور کسی مفکر کے افکار کا جھوٹا یا بڑا مجھوہ)

مفہوم ثالث: آئن شائن کے نظریہ اضافت نے سائنسی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ (اطور ایک خاص علمی یا تصوراتی حقیقت)

مفہوم رابع: جنپی نظریہ کے مطابق سمندری کیکڑے حلال نہیں ہیں۔ (اطور ایک خاص مكتب قلر)

مفہوم خامس: بیشتر مام ایک ایسا نظریہ ہے، جس نے دنیا میں صرف بتائی پھیلانی ہے۔ (اطور ماڈرن آئی پی لوگوں)

مفہوم سادس: میں صرف جلوں میں مقبول نہیں ہوں بلکہ اپنے گھر، آفس اور بازار میں بھی میرا نظریہ مقبول ہے۔ (اطور ایک مکمل نظام زندگی)

کرنا شروع کیا۔ یہ کٹکش جو پوہنچیں صدی سے شروع ہوئی، جس میں ملکیت نے نظام جا گیر داری کا ساتھ دیا اور سائنس نشاۃ ثانیہ کا لام بنا، سوہنیں صدی تک اپنے فیصلہ کن دور میں پہنچ گئی۔ اٹھار ہوئیں صدی کے صنعتی انقلاب نے نظام جا گیر داری کا بالکل خاتمہ کر دیا۔

لبرلزم اور کپلٹزم:

لبرلزم کیا ہے؟ وکی پیڈیا میں لبرلزم کا پیچ کھولیں تو دیکھیں طرف اس کے variants کھائی پڑتے ہیں، جن کی تعداد کسی طرح بھی ہیں سے کم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی کو مودودی کس لبرلزم کی بات کر رہے ہیں؟ کیا مولانا مودودی کو اس بات کا علم تھا کہ لبرلزم کی طرح کے ہیں؟ شاید ایک عام ذہن میں نہیں لیکن سیاست کے ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے، لیکن اسے اطمینان بخش جواب ملتا ہے۔ مولانا مودودی نشاۃ ثانیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، ”ملکیسا اور جا گیر داری کے خلاف ہے جگ جن نظریات کی بنابری لگنی اُن کا سر عنوان تھا ’لبرلزم‘، یعنی وسیع المشربی۔“ یہاں جن نظریات کا استعمال قابل غور ہے۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ لبرلزم کی قبیل کے پائے جاتے ہیں اور یہ بات بھی طے ہے کہ مولانا مودودی گو لبرلزم پر کوئی تھیس نہیں لکھنی تھی لہذا انہوں نے لبرلزم کے مسلمہ اصولوں سے بحث کی ہے اور فروعات سے تعریض نہیں کیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے اسی مختصر رسالے میں انہوں نے دور متوسط کا لبرلزم، بعدی لبرلزم کے الگ الگ ذیلی عناوین قائم کیے ہیں۔ اسی سیاسی و سماجی لبرلزم کی معاشی شکل کے طور پر کپلٹزم کا وجود ہوا۔ چنانچہ صرف بعدی نظام سماجی داری نہیں بلکہ کیونزم اور فاشزم کے چکلوں سے سبق سیکھ کر نظام سماجی داری نے جو اندر و فی اصلاحات کیں ان پر بھی بحث کی ہے۔

سیاست و میہمانی کے میدان میں ان نظریات کی بنیاد زندگی کے ہر شعبے اور فروعات کے ہر میدان میں کشادگی ہے۔ چنانچہ بعدی لبرلزم نے سیاست میں جمہوریت کا، تمدن و معاشرت، ادب و اخلاق میں انفرادی آزادی کا اور معاشریت میں بے قیدی (Faire Laissez) کا صور پہونچنا شروع کیا۔ ان کا کہنا یقیناً چاہکہ چرچ ہو یا اسٹیٹ یا سوسائٹی، کسی کوئی فرد کی سعی ارتقا اور سعی انتفاع میں رکاوٹیں عائد کرنے کا حق نہیں ہے۔ فرد کی اسی غیر محدود آزادی میں معاشرے کی فلاخ و بہبود ہے۔ بعد میں سیاسی و سماجی لبرلزم کی معاشی شکل کے طور پر کپلٹزم کی پیدائش ہوئی۔ یہ نظریہ جن بنیادی اصولوں پر قائم ہوا وہ شخصی

مولانا مودودی کی تحریریوں کی اہم خصوصیت ہے۔ اس تقدیمی صرف اخلاقی اور ادبی ہی نہیں بلکہ علمی شان بھی رہی ہے۔ مولانا مودودی نے مغرب کا مطالعہ ثانوی نہیں پر انگریز سورس سے کیا ہے اور اپنے اٹریچی میں ان مأخذوں کا حوالہ بھی دیا ہے۔ وقت اور حالات، اسلام کے علمی کارناٹوں سے اخذ واستفادہ، گھر اور ناقدا نہ مطالعہ، گھر کا ماحول اور یقیناً مشیت الیہ وہ عوامل ہیں جس کے نتیجے میں مولانا مودودی نے وہ کام کیا، جو ملت اسلامیہ پر ایک فرض کفایہ تھا۔

مقالہ نہا میں مغربی نظریات پر مولانا مودودی کی منظم تقدیم کا مطالعہ ان کے دور سالوں کی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ”اسلام اور جدید معاشری نظریات“ میں انہوں نے لبرلزم کپلٹزم، کیونزم اور فاشزم کا ناقدا نہ جائزہ لیا ہے اور ”مسئلہ قومیت“ میں یمنشنزم پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اپنی تحریریوں میں مولانا مودودی نے سیکولرزم پر بھی گفتگو کی ہے لیکن اس گفتگو کو مختلف کتابوں اور تحریریوں سے چھانٹ کر کیجا کرنا اور اس کا جائزہ لینا ایک مستقل کام ہے جو فی الحال میں نہ کر۔ کالہذا آج ہمارا ارتکازم کو ہبلا چار نظریات ہی پر ہوگا۔

نظریات کے اس تحریریے کا آغاز مولانا مودودی نے موجودہ عمرانی مسائل کے تاریخی پس منظر کی وضاحت سے کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ”تمدن اور سیاست اور میہمانی“ پر بھی اسے اپنے میہمانی کے بیشتر مسائل اور ان مسائل میں ہماری ابھینیں ان حالات کی پیداوار میں جو مغربی زندگی میں انہی مسائل اور انہیں الجھنوں کی پیدائش کے موجب ہوئے ہیں۔“ چونکہ مغرب ہی فکری اور علمی میدان میں دنیا کی امامت کر رہا ہے لہذا ”ہمارے سونے سمجھنے والے لوگوں کی اکثریت ان مسائل کے حل کی انہی صورتوں میں اپنے لیے رہنمائی تلاش کر رہی ہے جو مغربی مددوین و مفکرین نے پیش کی ہیں۔“

لہذا حل کی ان صورتوں کا، مولانا مودودی کے الفاظ میں ”شجرہ نسب“ جانتا ضروری ہے۔ (اجمن: ۷)

مغرب کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا اور اس کی خوبیوں کو تسلیم کرتے ہوئے خامیوں کی نشاندہی کرنا وہ معقول اور دل علی شاہراہ ہے جس پر اس کا میابی کے ساتھ اس سے پہلے کوئی نہ چل سکتا تھا۔ اور وہ کا تو خیر کیا ذکر، سر سید اور امیر علی جیسے دانشور بھی اپنے تمام تر اخلاص کے باوجود مغرب سے یک گونہ مرعوب تھے۔ دوسری طرف قدامت پسند علا مغرب کی مخالفت میں ایک الگ ہی انتہا پر تھے۔

ادھر یہ ضد ہے کہ لمبڑ بھی چھوپنیوں سکتے

ادھر یہ ڈھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

قوائمیں فطرت:

اپنی تحریریوں میں مولانا مودودی وضاحت کرتے ہیں کہ قوموں کے عروج و زوال میں اللہ کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ”اس معاملہ میں خدا کا فقط نظر ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ماک کا ہونا چاہیے۔ وہ اپنی زمین کے انتظام میں دعویداروں اور امیدداروں کے آبائی یا پیدائشی حقوق نہیں دیکھتا۔ وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ ان میں کون بناؤ کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت اور بگاڑ کی طرف کم سے کم میلان رکھتا ہے۔ ایک وقت کے امیدداروں میں سے جو اس لحاظ سے اہل تر نظر آتے ہیں، انتخاب انہی کا ہوتا ہے اور جب تک ان کے بگاڑ سے ان کا بناؤ زیادہ رہتا ہے یا جب تک ان کی نسبت زیادہ اچھا بنا نے والا اور کم بگاڑنے والا کوئی میدان میں نہیں آ جاتا، اس وقت تک انتظام انہی کے سپرد رہتا ہے۔“ اسی طرح وہ جب دنیا کو ایک ریل گاڑی سے تعبیر کرتے ہیں ”جس کو فکر و تحقیق کا انجمن چلا رہا ہے تو یہ سبق دیتے ہیں مغرب کے غلبہ بیانی دعویٰ یہ ہے کہ ”چار پانچ سو سال تک مسلمان اپنے بزرگوں کے بچھائے ہوئے بستر پر آرام سے سوتے رہے اور مغربی قومیں اپنے کام میں مشغول رہیں“۔ اور پھر جب یقین میں اجھیں تو قلم اور تلوار دونوں طاقتلوں سے دنیا پر چھا گئیں۔

قوموں کی امامت و سیاست کے ان اصولوں کے بیان

سے مولانا مودودی کا یہ موقف واضح ہو جاتا ہے کہ وہ مغرب پر نظری تقدیم تو کرتے ہیں لیکن یہ بات خود بھی سمجھتے ہیں اور سمجھانا بھی چاہتے ہیں کہ ان کا فکری، تہذیبی اور سیاسی غلبہ کسی اتفاق کا نہیں بلکہ فطرت کے اہل قوانین کا نتیجہ ہے خواہ وہ نافیت کے حوالے سے ہو یا ”فکر و تحقیق“ کے حوالے سے۔ مغرب کی اس حوالے سے قدر دانی سکھ کا ایک رخ ہے، سکھ کا دوسرا رخ مغربی افکار، اقدار، مسلمات اور تہذیب پر جم کرتقدیم ہے۔ علم و تحقیق کے میدان میں یہ معقولیت، معروضیت اور اعتدال

بڑے شہروں کو بھرتو، کم سے کم اجرت اور ظالمانہ شرائط تک پرکام کرنے کے لیے رضامندی؛ جسمانی صحت اور ذہنیت و اخلاق کی گراوٹ الفرض ”زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ رہا جو اس غلط اور یک رخی قسم کی آزاد میشیت کے برے اثرات سے بچا رہ گیا ہو۔“

☆ بورژوا طبقے نے کاروبار کے فطری طریقوں کو چھوڑ کر اپنے ذاتی منافع کے لیے اجتماعی مفادوں کے صرخ خلاف معاشی سرگرمیاں انجام دینی شروع کیں مثلاً ذخیرہ اندوزی، غائبانہ خرید و فروخت، نرخ کی گراوٹ کے ڈر سے پیدا شدہ ماں کی تلفی، یقیشات اور غیر ضروری مدوں میں سرمایہ کاری، مصروفت و مخرب اخلاق اشیا کی پیداوار اور اشتہار، نکرو قوموں پر تسلط اور سو خوری۔

☆ سماج کے ایک طبقے کا معاشی استھان، ہر طبقے کا اخلاقی زوال کے علاوہ کپڑلم اس مقصد میں بھی ناکام ہوا جو اس کا مقصد وجود تھا۔۔۔ پیداوار اور منافع میں اضافہ! سرمایہ داری کے اس اندروںی تضاد پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں:

دنیا میں بے حد حساب قبل استعمال ذرائع موجود ہیں اور کروڑوں آدمی کام کرنے کے قابل بھی موجود ہیں اور وہ انسان بھی کروڑ ہا کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں جو اشیا ضرورت کے مقام ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی دنیا کے کارخانے اپنی استعداد کار سے بہت گھٹ کر جو مال تیار کرتے ہیں وہ بھی مہذبوں میں اس لیے پڑا رہ جاتا ہے کہ لوگوں کے پاس خریدنے کو روپیہ موجود نہیں ہے اور لاکھوں بے روزگار آدمیوں کو کام پر اس لینہیں لگایا جاسکتا کہ جو تھوڑا مال بتتا ہے وہی بازار میں نہیں لکھتا، اور سرمایہ اور قدرتی ذرائع بھی پوری طرح زیر استعمال اس لینہیں آنے پاتے کہ جس قلیل پیمانے پر وہ استعمال میں آرہے ہیں اسی کا باراً اور ہونا مشکل ہو رہا ہے، کجا کہ مزید ذرائع کی ترقی پر مزید سرمایہ لگانے کی کوئی بہت کر سکے۔ یہ سورج حال بورژوا مفکرین کے اس استدال کی جڑ کا کثیر تھی ہے جو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے تھے کہ بے قید میشیت میں اپنے انفرادی نفع کے لیے افراد کی تگ و دو خود بخود ذرائع وسائل کی ترقی اور پیداوار کی افزائش کا سلامان کرتی رہتی ہے۔ ترقی اور افزائش تو درکنار، یہاں تو تحریک سے یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنی نادانی سے خود اپنے منافع کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر لیں۔

جس کی بدولت آج دنیاڑ ایسوں اور قومی عرادتوں کا ایک کوہ آتش فشاں بنی ہوئی ہے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا جس میں پہلی مرتبہ سود کے جائز اور مباح ہونے کا تخلی پیدا ہوا۔ حالانکہ قدیم ترین زمانے سے تمام دنیا کے اہل دین و اخلاق اور علا قانون اس چیز کی حرمت پر متفق تھے۔ صرف قورات اور قرآن ہی نے اس کو حرام نہیں ٹھہرایا تھا بلکہ اس طور اور فاطعون بھی اس کی حرمت کے قائل تھے۔

☆ جدید لبرزم کی خود غرضی کا کرشمہ بتاتے ہوئے مولانا مودودی کہتے ہیں کہ وسیع المشربی کا دعویٰ کرنے والے ”جن حقوق کا خود۔۔۔ اپنے لیے مطالبہ کرتے تھے وہی حقوق اپنے مزدوروں اور نادار عوام کو دینے کے لیے تیار رہتے۔۔۔“

☆ بورژوا طبقے نے کامیابی کے ساتھ کلیسا اور جاگیرداری کے استبداد کو چیلنج کیا اور فکر و تحقیق اور صنعت و تجارت کے ارثاق کے نتیجہ ثابت ہوئے۔

☆ اس نظریہ کے حاوی نظری طور پر انسانی آزادی، مساوات اور حقوق کے قائل تھے۔ وظلم و استبداد، شاہی خاندانوں یا زمینداروں کے ہاتھوں میں سیاسی قوت کے ارتکاز کے مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ”ملک عام باشندوں کا ہے۔ حکومت کا سارا کاروبار انہی کے دیے ہوئے ٹکسوس سے چلتا ہے۔ لہذا انہی کی رائے سے حکومتیں بنی اور ٹوٹنی اور بدلتی چاہیں اور انہی کو قانون سازی اور نظم و نسق میں فیصلہ کن اثر حاصل ہونا چاہیے۔ یہی نظریات جدید جمہوریتوں کی بنیاد بنئے۔“

منقی پہلو:

☆ دور متوسط کے لبرزم کی انتہا پسندی پر تقدیم کرتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں:

اس کلکشن میں اگر اہل کلیسا اور جاگیرداروں کی تنگ خیالی ایک انتہا پر تھی تو ان بورژوا حضرات کی وسعت مشرب دوسری انتہا کی طرف چلی جا رہی تھی۔ ایک گروہ نے اگر بے اصل عقائد، ناروا امتیازات اور زحمات یا تو تماشا دیکھتی رہے یا خود ان طاقتوار فرادی کے مفاد کی حفاظت کرنے لگے تو اس کا لازمی نتیجہ شورش ہے۔“

☆ صفتی انقلاب کے نتیجے میں شینوں نے انسانی محنت کی جگہ لینی شروع کی۔ ایسے میں بے قید میشیت نے پیدا شدہ صورت حال کو مزید اپتر کر دیا اور یہ روزگاری کا ایک مستقل مسئلہ اتنے بڑے پیمانے پر پیدا ہو گیا، جس سے تاریخ پہلی بھی آشنا ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ روزگاری کسی ایک مسئلے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ وہ انسان کی مادی، روحانی، اخلاقی اور تمدنی زندگی کے بے شمار پیچیدہ مسائل کا مورث اعلیٰ ہے۔ اسی یہودگاری کے نتیجے میں بڑے

ملکیت کا حق آزادی سمجھ کا حق، ذاتی نفع کا محرك عمل ہونا، ” مقابلہ اور مسابقت“، ”اجر و مستاجر کے حقوق کا فرق، ارتقا کے فطری اسباب پر اعتماد اور ریاست کی عدم مداخلت ہیں۔

لبرزم کے ثبت پہلو:

☆ مولانا مودودی کہتے ہیں کہ لبرزم اپنے اندر صداقت کے بعض ”عاصار“ رکھتا ہے۔ سرمایہ داری نے بھی جو اصول پیش کیے ”ان کے اندر کسی حد تک مبالغہ کے باوجود صداقت پائی جاتی تھی۔۔۔“

☆ بورژوا طبقے نے کامیابی کے ساتھ کلیسا اور جاگیرداری کے استبداد کو چیلنج کیا اور فکر و تحقیق اور صنعت و تجارت کے ارثاق کے نتیجہ ثابت ہوئے۔

☆ اس نظریہ کے حاوی نظری طور پر انسانی آزادی، مساوات اور حقوق کے قائل تھے۔ وظلم و استبداد، شاہی خاندانوں یا زمینداروں کے ہاتھوں میں سیاسی قوت کے ارتکاز کے مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ”ملک عام باشندوں کا ہے۔ حکومت کا سارا کاروبار انہی کے دیے ہوئے ٹکسوس سے چلتا ہے۔ لہذا انہی کی رائے سے حکومتیں بنی اور ٹوٹنی اور بدلتی چاہیں اور انہی کو قانون سازی اور نظم و نسق میں فیصلہ کن اثر حاصل ہونا چاہیے۔ یہی نظریات جدید جمہوریتوں کی بنیاد بنئے۔“

منقی پہلو:

☆ دور متوسط کے لبرزم کی انتہا پسندی پر تقدیم کرتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں:

اس کلکشن میں اگر اہل کلیسا اور جاگیرداروں کی تنگ خیالی ایک انتہا پر تھی تو ان بورژوا حضرات کی وسعت مشرب دوسری انتہا کی طرف چلی جا رہی تھی۔ ایک گروہ نے اگر بے اصل عقائد، ناروا امتیازات اور زحمات یا تو تماشا دیکھتی رہے یا خود ان طاقتوار فرادی کے مفاد کی حفاظت کرنے لگے تو اس کا لازمی نتیجہ شورش ہے۔“

کرنا شروع کر دیا جو ہمیشہ مسلم چلی آ رہی تھی۔ یہی زمانہ تھا جس میں سیاست کا رشتہ اخلاق سے توڑا گیا اور میکیاولی نے کھلم کھلا اس نظریہ کی وکالت کی کہ سیاسی اغراض و مصالح کے معاملے میں اخلاقی اصولوں کا لاملا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہی زمانہ تھا جس میں کلیسا اور جاگیرداری کے بال مقابل قومیت اور قوم پرستی اور قومی ریاست کے بہت زانشے گئے، اور اس فتنے کی بنیاد ڈالی گئی

سوشلزم اور کمیوززم:

سوشلزم اور کمیوززم کیا ہے؟ دونوں میں فرق کیا ہے؟ وکی پیڈیا میں کمیوززم کا تیچ کھولیں تو دوائیں طرف اس کے variants کی تعداد پندرہ سے تباہ کر جاتی ہے، سو شلزم کے تیچ پر یہ تعداد چالیس سے بھی زیادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ مولانا مودودی کس سو شلزم اور کون سے کمیوززم کی بات کر رہے ہیں؟ سو شلزم اور کمیوززم کی ان دھڑے بندیوں جس کا مظاہرہ آئے دن بھے این یو وغیرہ میں ہوتا رہتا ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مولانا مودودی، اس مسئلے سے تعریض کرتے ہوئے کہتے ہیں، ”سو شلزم کے اصل معنی ہیں کیوں حاصل ہوئی۔“ فرماتے ہیں:

تحیں، خامیاں تھیں تو ان کی مبالغانہ آئیں شدت اور ان اصولوں کے ساتھ غلط اصولوں کی ملاوٹ میں تھیں لیکن جس طرح نظام جا گیرداری کی مخالفت کرتے ہوئے برل مفکرین نے ایک انتہا سے دوسری انتہا کا سفر لیا، بالکل اسی طرح نظام سرمایہ داری کی مخالفت میں سو شلزم مفکرین بھی جادہ اعتدال پنیسٹھرے بلکہ انتہاؤں کی ایک نئی جواناگہ تلاش کر لی۔ مولانا مودودی کا مندرجہ ذیل اقتباس نہ صرف انتہاؤں کے اس سفر کا خلاصہ ہے بلکہ مغربی ذہن پر ایک تقید بھی ہے اور اس سوال کا جواب بھی کہ سو شلزم کے متعدد مساکن میں سے مارکسم ہی کو سب سے زیادہ عوای مقبولیت اتنا ہے کہتے ہیں، ”سو شلزم کے اصل معنی ہیں اجتماعیت اور یہا صلاح اس انسدادیت (Individualism) کے مقابلہ میں بنائی گئی تھی جس پر جدید سرمایہ داری کا نظام تعمیر ہوا تھا۔ اس نام کے تحت بہت سے مختلف نظریے ایور مسلک کارل مارکس سے پہلے ہی پیش کردیے گئے تھے جن کا مشترک مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسا نظام زندگی بنایا جائے جس میں بحیثیت مجموعی پورے اجتماع کی فلاح ہو۔“ (اجمن: ۲۳)

سو شلزم نے انسدادی ملکیت کا انکار کیا اور اسے ہی اجتماعی زندگی میں فتنہ کا اصل سبب قرار دیا۔ ان حقوق کے فطری ہونے کا انکار یہ کہ کیا گیا کہ سرمایہ دارانہ نظام نے افراد کی فطرت کو مخ کر دیا ہے ”جب تک انسدادی ملکیت کا نظام قائم ہے لوگ انسدادی الذہن ہیں۔ جب اجتماعی ملکیت کا نظام قائم ہو جائے گا، یہی سب لوگ اجتماعی الذہن ہو جائیں گے“، ذاتی ملکیت کو غیر فطری ثابت کرنے کے لیے مزید ستم یہ کیا گیا کہ ”فی البدیہہ ایک پوری تاریخ، رقم کر کے یہ ثابت کیا گیا کہ ”انسانیت کے آغاز میں ذرائع پیدا اور پرانسدادی ملکیت کے حقوق تھے ہی نہیں“، ذریعہ، اخلاق، اور قانون نے چونکہ ملکیت کے انسانی حق کو تسلیم کیا تھا لہذا ان سب کو اعلیٰ طبقہ کا آنکہ قرار دیا گیا جن کا کام صرف مالدار اور طاقتور طبقے کی گرفت کو غریب اور محنت کش عوام پر مضبوط کرنے کا جواز فراہم کرنا تھا۔ طبقاتی تکفیش کو تاریخ کے ارتقا کے واحد راستے کے طور پر پیش کیا گیا۔ (تفصیل کے لیے پیکھے: اجمن: ۵۰-۵۲)

سو شلزم کے ان مسلمہ اصولوں کے بیان کے بعد مولانا مودودی اس کا میزان نفع و نقصان پر دوسوں کے انقلاب کے ناظر میں بحث کرتے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ یہاں کمیوززم کے حامیوں اور مخالفوں دونوں کی بے اعتدالی پر تقدیم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ”اس کے حاوی اس کے نفع کے پہلو میں بہت سی ایسی چیزوں کو داخل کر دیتے ہیں جو دراصل اشتراکیت کے منافع نہیں ہیں بلکہ قابل اور مستعد لوگوں کے ہاتھ میں انتظام ہونے کے شمارت ہیں۔ دوسری طرف اس کے مخالف اس کے نقصان کے پہلو میں بہت سی ان خرایوں کو رکھ دیتے ہیں جو بھائے خدا اشتراکیت کے نقصانات نہیں بلکہ ظالم اور تنگ طرف افراد کے بر سر اقتدار آنے کے نتائج ہیں۔“ (اجمن: ۱۵) (--- جاری ہے!

کامیابی یہ ہے کہ وہ اس نظریے کو صرف جدید سرمایہ داری کے عمل کے طور پر دیکھنے کے بجائے یورپ کی جدید مادیت کی ایک توسعی یا بالغاظ دیگر کارکرداری تبدیلی کے ساتھ تاریخ کی تکرار کی بحیثیت سے دیکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ بورڑا طبقات کے پیش کردہ فطری اصولوں میں بنیادی خامیاں نہیں

دہشت گردی کے خلاف جنگ

تیر ہوں قطط

محمد امین خان

مضبوط سے مضبوط تر کیے جاسکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مفادات کو مستحکم کرنے کے چکر میں دشمنوں کی تعداد بڑھتی جائے تو ملک کو کیا فائدہ پہنچا؟ امریکی قیادت پوری دنیا میں عسکری مہم جوئی کے ذریعے اپنا اوسیدھا کرنا چاہتی ہے مگر ایسا کرنے کے عاقب کے بازے میں سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔

امریکا کی یہ ورنی عسکری مہم جوئی کے حوالے سے کوئی بھی سوال اٹھایا جائے، یہ بات امریکی قیادت کو آخر کیوں ناپسند ہے؟ بات سیدھی سی ہے کہ امریکا کی ترقی اور استحکام کا تقریباً کامل مدار اس بات پر ہے کہ دنیا بھر میں کہیں نہ گنج یا خانہ جلکی ہوتی رہے، امریکی اسلحہ فروخت ہوتا رہے اور جہاں ضرورت محسوس ہو وہاں امریکی فوج کو بھی ملوث کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔ امریکی حکمران طبقہ چاہتا ہے کہ عسکری مہم جوئی پر انگلی نہ اٹھائی جائے، امریکی دارمیشین کو کسی بھی طور مطبوع نہ کیا جائے۔ ایسا اس لیے ہے کہ امریکا میں اسلحہ ساز ادارے عسکری مہم جوئی ہی کی مدد سے تو پناہ جود برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

اگر امریکا عسکری مہم جوئی ترک کر دے اور دنیا بھر کے ممالک امن کی راہ پر گامزن ہو کر اسلحہ خریدنا ترک کر دیں تو امریکا کہاں جائے گا، اس کا کیا بنے گا؟ ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ کئی عشروں کے دوران درجنوں بار امریکا یہ ثابت کر چکا ہے کہ وہ جدید ترین اسلحہ اور متعلقہ تکنیکاں بھی رکھتا ہے۔ امریکی محکمہ دفاع اور اسلحہ ساز ادارے مل کر اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ جملہ اور دفاع کرنے کی امریکی صلاحیت کا اتفاق وقوع سے مظاہر ہوتا رہے۔ امریکی قیادت دنیا پر یہ بات ہر وقت روز روشن کی طرح عیاں رکھنا چاہتی ہے کہ وہ کسی بھی وقت، دنیا بھر میں کہیں بھی پورا کارروائی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

امریکا نے اپنی عسکری صلاحیت کو بہتر انداز سے بروعے کارلا کر دنیا کو بارہا بار کرایا ہے کہ اس سے گکرا نا آسان کام نہیں۔ یورپ نے بھی اس معاملے میں اس کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ کمزور اقوام کو ڈرا دھکا کر امریکا اور یورپ نے ہر معاملے میں اپنی مرضی کے تباخ حاصل کرنے میں نمایاں کام بیاپاں حاصل کی ہیں۔ اس کے نتیجے میں امریکا اور یورپ دونوں ہی سے شدید نفرت پروان چڑھتی گئی ہے۔ امریکا نے تو عسکری مہم جوئی اور کمزور مالک کو ڈرا نے وہ مکانے کے ذریعے مطلوبہ تباخ حاصل کر لیے، یورپ اس کا ساتھ دیتے

تو حکومت سے سوال پوچھنے کا عمل شروع ہو جاتا، پالیسیوں کی وضاحت کرنا پڑتی اور اس کے نتیجے میں اقتدار پری پہنچنے پارٹی یعنی نیو کونزی گرفت کمزور پڑ جاتی۔

خارج اور کبھی کوئی طور گواہ انتظام کو عوام کے ذہنوں میں پالیسیوں کے حوالے سے خدشات اور سوالات جنم لیں اور ان سوالات کا جواب دینا بھی لازم ہے۔ اگر امریکیوں کے ذہن میں اپنے ملک کی پالیسیوں کے حوالے سے سوالات جنم لیتے تو سب سے پہلے تو وہ یہ ورنی عسکری مہماں ہی کے خلاف کھڑے ہو جاتے۔ امریکا دنیا بھر میں عسکری مہم جوئی کے ذریعے اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

امریکی فوج یورون ملک جو کچھ کرتی ہے اور جتنے بڑے پیمانے پر ہلاکتوں اور بتاہی کی راہ ہموار کرتی ہے، اس سے عام امریکی مجموعی طور پر بے خبری رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی بہood میں اضافے کے نام پر کیا جاتا ہے مگر تخلیق تر حقیقت یہ ہے کہ خود انہی کو کچھ نہیں ملتا۔ عام امریکی کو بہتر زندگی بس کرنے کے لیے آج بھی مرتبہ دم تک تگ و دکرنا پڑتی ہے۔

امریکا میں بہood عامہ کا تصوراب تک عمل پذیر ہے مگر حکومت سب کچھ فرامہ نہیں کرتی۔ شہریوں کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہتر زندگی تینی بنانے کے لیے انہیں رات دن محنت کرنا پڑتی ہے۔ بہتر اجرت پانے کی خواہش زیادہ سے زیادہ محنت کی بھی مقاضی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ امریکی قیادت کی یہ ورنی عسکری مہماں سے عام امریکیوں کو فوائد حاصل ہوتے ہوں۔ جن کے مزے ہونے ہیں اس انہی کے

مرے ہونے ہیں، عوام کے پرانے تو وہیں بہتے رہتے ہیں۔ قومی پالیسیوں کے تباخ سے عام امریکی بالعلوم بے خبر رہتے ہیں کیونکہ پالیسیوں سے ان کی زندگی براہ راست متاثر نہیں ہوئی۔ امریکا میں حکمران طبقہ یہ بات کی طور پسند اور گوارا نہیں کرتا کہ قومی پالیسیوں پر انگلی اٹھائی جائے۔ عوام سے یہ توقع کچھ جاتی ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ بلاچوں چڑھا اس پر عمل کریں۔

امریکی قیادت کوئی بھی پالیسی مرتب کرتے وقت صرف اس بات کو زہن نہیں رکھتی ہے کہ امریکا کے مفادات کس طور

پھیلائی ہے اور جتنے بڑے پیمانے پر قصور انسانوں کی موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ کوئی ایسا معاملہ نہیں جو نظر انداز کر دیا جائے۔ محض صرف نظر کرنے سے تمام معاملات نہ تو درست ہو سکتے ہیں اور نہیں امریکا کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ امریکا نے کئی مالک میں صرخ مداخلت کر کے اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کی ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے لازم تھا کہ منتخب اور قانونی حکومتیں ختم کی جاتیں اور ایسا ہی کیا گیا۔ الجزا ایک مثال بہت واضح ہے جہاں ۱۹۹۰ء کے عشرے کے اوائل میں اسلام پسندوں نے بھرپور کامیابی حاصل کی تو امریکا نے یہ کسی طور گوارا نہ کیا کہ ایک پورا ملک اسلام پسندوں کے ہاتھ میں چلا جائے۔ اس نے بھرپور مداخلت کی اور ایک قانونی حکومت کی راہ میں روڑے انکا کر اپنے ٹھوڑوں کو اقتدار دلایا۔ اس کے نتیجے میں الجزا صرف خرایوں کی نذر ہوا۔ امریکی عسکری مداخلت نے کئی خطوں کو شدید یونقصان پہنچایا ہے۔ بہت سے ممالک تاریخ ہوئے ہیں، متعدد معاشرے شدید عدم توازن کا شکار ہوئے ہیں۔ امریکی پالیسیوں نے مشرق وسطی، جنوب مشرقی ایشیا، جنوبی ایشیا، شمالی افریقا اور دمگہ خطوں میں کروڑوں افراد کو غیر لینی صورت حال سے دوچار کیا ہے۔ درجنوں ممالک امریکی پالیسیوں کی زدیں آ کرتا ہی سے دوچار ہوئے اور ان کے کروڑوں باشندوں کے لیے تباہا مستقل کے خواب دیکھا بھی دشوار ہو گیا۔

نائیں ایون کے حوالے سے امریکی قیادت نے میڈیا کے ذریعے بہت کچھ اس قدر الجھایا کہ حقیقت انسانوں کی نذر ہو گئی۔ چند ایک افراد نے نائیں ایون کے حوالے سے تحقیق کی، مگر امریکا اور یورپ کے مرکزی ذرائع ابلاغ نے ان کی بات زیادہ چھینیے نہیں۔

نائیں ایون کے بعد کی صورت حال میں امریکی قیادت نے میڈیا کو عمدگی سے بروعے کارلا تے ہوئے عام امریکی کو پالیسیوں کے حوالے سے کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ بُش انظام پر کوچھی طرح اندازہ تھا کہ اگر امریکیوں کو اندازہ ہو گیا کہ نائیں ایون دراصل امریکی پالیسیوں ہی کا منطقی رد عمل ہے

بھی بہت مختصر وقت کے نوٹس پر بھرپور کارروائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

امریکا یہ سب کچھ اس لیے بھی کرنا چاہتا تھا کہ اسے اپنی برتری کے خاتمے کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ دنیا بھر میں اب سیاست اور سفارت کا پیراؤ ائم تبدیل ہو رہا ہے۔ نئی سوچ اپنائی جا رہی ہے، جس کے تحت طاقت کا استعمال ناپسندیدہ قرار پا رہا ہے۔ چین، جاپان، جنوبی کوریا، برلن میں اور چند دوسرے مالک نے عسکری قوت کو حق میں لائے بغیر بھرپور طاقت حاصل کی ہے۔ ترکی اور ملائیکیا بھی اس کی ایک واضح مثال ہیں۔ ان دونوں مالک کے کسی بھی طرح کی عسکری مہم جوئی کے بغیر محض میشست کو بنیاد بنا کر ترقی کی ہے اور یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ امریکا اب تک جس پیراؤ ائم کے تحت کام کر رہا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ یورپ بھی اس بات کو بھرتا ہے کہ آج کی دنیا ”زم قوت“ پر یقین رکھتی ہے۔ جدید ترین علوم و فنون کو زیادہ سے زیادہ اگے بڑھا کر معاشری قوت میں اضافہ ہی وہ راستہ ہے، جس پر گامز من ہو کر دنیا حقیقی ترقی، خوشحالی اور استحکام کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔

نانیں ایون کو بنیاد بنا کر جب امریکا نے دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ شروع کرنے کی بات کی تو کمی خطوں میں تشویش کی ہردوڑگی۔ یہ نظری امر تھا کیونکہ امریکا دوسری عالمی جنگ کے بعد سے اب تک اور بالخصوص سرحد جنگ کے دور میں جو کچھ کرتا آیا ہے وہ آج بھی لوگ جھوٹے نہیں ہیں۔ کئی مالک بلکہ پورے پورے خطوں کو امریکی پالیسیوں نے شدید عدم توازن اور عدم استحکام سے دوچار کر لایا ہے۔ کسی نئی جنگ کا کوئی کردار نہیں اگلوں کا پریشان ہونا کوئی غیر نظری امر نہ تھا۔ بھی نے یہ بات محسوس کی کہ نانیں ایون تو محض ایک بہانہ ہے۔ امریکا کو اپنی عسکری قوت دکھانا تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ایک پورے خطے کو عدم استحکام سے دوچار کرنا بھی مقصود تھا۔ افغانستان میں قدم جمانے کے بعد چین پر نظر رکھنا اور اس کے عزم کی راہ میں دیوار بننا بھی قدرے آسان ہو جاتا۔ امریکا نے ایک تیر میں کئی نشانے لگانے کی کوشش کی اور بہت حد تک کامیاب رہا۔ جنوبی ایشیا سے متصل ملک میں امریکا اور اس کے ہم خیال مالک کی افواج کی موجودگی نے ایسی صورت حال کو جنم دیا ہے جس میں بہت کچھ داؤ پر گل گیا۔

امریکا نے جب افغانستان میں دہشت گردوں کو حڑ سے اکھڑا چینکنے کی بات کی تب مسلم دنیا بھی سمجھ کئی کہ امریکی اقدامات کی پشت پر کوئی اور ہی نظریہ اور مقصد کا فرمایا ہے۔

گردی سے بچانے کے نام پر جو کچھ کیا وہ سب کچھ اچانک بے نقاب ہو گیا۔ نانیں ایون نے ثابت کر دیا کہ ہزار جتنے کرنے پر بھی امریکی سر زمین مکمل طور پر محفوظ نہیں اور اسے بکھی بھرپور طریقے سے نشانہ بنا یا جاسکتا ہے۔ عوام بھی سوچنے پر مجبور ہوئے کہ جب ان کا اپنامک بھی دہشت گردی سے محفوظ نہیں اور کسی بھی وقت نشانے پر آسکتا ہے تو پھر سلامتی یقینی بنانے کے نام پر غیر معمولی اخراجات کس مد میں کیے جا رہے ہیں۔ نانیں ایون نے اس خوش بھی کو بھی میں ملا دیا کہ امریکا کو بھی نشانہ بنا یا نہیں جاسکتا۔ عوام کے لیے یہ بہت عجیب لوح تھا۔ ان کی قیادت یہ دنیی عسکری مہماں شروع کرتے رہنے پر بھی ہوئی تھی اور دوسری طرف اس امریکی کوئی مہماں دینے کو توان رہتی کہ امریکا کو اپنے نشانہ نہیں بنا یا جاسکے گا۔ نانیں ایون کی کوکھ سے ایسے خدشات اور تحفظات نے جنم لیا جس کا امریکی قیادت کے پاس کوئی حواب نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کی نانیں ایون کا رد عمل جو کچھ بھی تھا، ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔ اس عمل نے بہت کچھ داؤ پر لگادیا۔ اس ایک واقعے کے ذریعے ایک بد مست ہاتھی کو چھیڑا گیا۔

دنیا بھر میں امریکا مختلف جذبات کو غیر معمولی حد تک اور برق رفتاری سے ابھارا گیا۔ ایسا کرنے کا بنیادی مقصد صرف یہ تھا کہ امریکی قیادت مشتعل ہو کر مزید حملے کرے اور ان جملوں کے نتیجے میں ہونے والی تباہی سے رکھنے کے نتائج حاصل کیے جاسکیں، یعنی جہادی لکھنگ کو فروغ دیا جائے اور جہاد پوکی بھرتی کا عمل آسان ہو جائے۔ امریکا کو چھیڑنے کا ہی نتیجہ کھلا جو جہادی چاہتے تھے انہیں اندازہ تھا کہ امریکا مشتعل ہو کر زیادہ حملے کرے گا اور ان جملوں کی زمین پر اپنی مرضی کی فصل اگائی جاسکے گی۔

نانیں ایون کے بعد امریکا نے جو کچھ کیا وہ بہت خطرات سے بچانے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جھوٹ بول بول کر عوام کو ڈرایا اور دفاعی بجٹ بڑھایا جاتا رہا۔ چند عشروں کے دوران امریکی جنگوں کی قیمت شہریوں نے اس قدر رچکائی ہے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا ہوتا تو بجوہ و عامہ کے بہت سے ایسے منصوبے مکمل کیے جاسکتے تھے جن کی مدد سے معیار زندگی قابل رشک حد تک بلند کرنا آسان ہو جاتا۔ امریکی عوام کو اب تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا ہے کہ ان کی جیب پر کس کس طرح اور کس سکس بہانے سے ڈاکا ڈالا جاتا رہا ہے۔ امریکی قیادت نے اپنی سر زمین کو ہر طرح کی دہشت

امریکا میں بھی بہت سے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ان کی قیادت جب دہشت گردی کے خلاف جنگ چھیڑ رہی ہے اور دہشت گروں کو ختم کرنے کی راہ پر گامز ن ہونے والی ہے تو ابتدا افغانستان سے کیوں؟ فلوریڈا سے کیوں نہیں کہ وہاں امریکا نے ایک مدت سے کیوبا کے جلاوطن دہشت گروں کو پال رکھا ہے۔ امریکا نے فلوریڈا میں ان دہشت گروں کو چھپا رکھا تھا، جنہوں نے کیوبا کے مسافر طیارے تباہ کیے اور کیوں نہ لیڈر فیڈل کا ستر و کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی۔ اور یہ دہشت گرد امریکا میں دوچار سال سے نہیں بلکہ پچاس سال سے بھی زائد مدت سے پناہ پائے ہوئے ہیں۔ امریکا نے کیوبا کے جن دہشت گروں کو چھپا رکھا تھا ان میں لوئی پوساڈا کیریلیز اور اس کا ساتھی اور لینڈ بوش نمایاں ہیں۔ ان دونوں پر کیوبا کے مسافر بردار طیارے کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کرنے کا اراہم ہے۔ طیارے کی تباہی سے ۳۷۰ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ ان دہشت گروں کو پناہ دے کر امریکا نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دہشت گردی کا حামی ہے اور اپنے مفادات کو تحفظ فرمائیں کرنے کے لیے کسی بھی ملک کو نشانہ بنانا اور بنا سکتا ہے۔ اور لینڈ بوش نے ۱۹۸۷ء میں کیا تھا کہ کیوبا کے کسی بھی طیارے کو مار گرانے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ کا ستر و انتظامیہ کے تمام طیارے جنکی نوعیت کے ہیں۔

جب لوئی پوساڈا کیریلیز اور اور لینڈ بوش کے خلاف باضابطہ کارروائی کے لیے دباؤ بڑھا تو امریکا نے مسافر بردار طیارے کی تباہی میں مرکزی کردار ادا کرنے کی پاداش میں مقدمہ چلائے جانے سے قبل کیریلیز کو وینیز و نیلا کی جمل سے فرار کر دیا۔ یہ اس لیے کیا گیا کہ اگر کیریلیز پکڑا جاتا تو تفہیش کے دوران یہ کہہ سکتا تھا کہ اس نے جو کچھ بھی کیا، امریکا کے اشارے پر کیا۔ معاملہ نہیں پر ختم نہیں ہوا۔ کیریلیز نے سی آئی کام کے ساتھ کام کرتے ہوئے جو تجربہ حاصل کیا تھا وہ خوب کام آیا اور اسے امریکی ایجنسٹ کے طور پر نکارا گوا کے کو نظر اباغیوں کو سلسلہ کی فرائی پر مامور کر دیا گیا۔

اور لینڈ بوش کی جو اگلی سے گریز کیا گیا۔ دہشت گردی کے ایک بڑے واقعے کی بنیاد پر اس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا مگر یہ سب کچھ محض آنکھوں میں دھول جھوکنے کا عمل تھا۔ صدر اُش جو نہیں نے خصوصی ایگزیکٹیو اڈر کے ذریعے اور لینڈ بوش کو معافی دے دی۔ یہ معافی کیوں دی گئی اس کی کوئی بھی تصریح یا تو پیش بُش انتظامیہ نہ کر سکی۔ اور لینڈ بوش کو انتباہ کیا

اسلامی دنیا کی حفاظت کے لیے پیش کر دیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ شروع کی گئی تو امریکی میدیا مشین نے وار میشن کی بھرپور مدد شروع کی۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا سے کسی اور ہی رنگ میں پیش کیا گیا۔ مسلمانوں کو عمومی سطح پر دہشت گرد قرار دینے کا عمل شروع ہوا امریکا اور یورپ کے میکنوں کو بادر کرایا جانے لگا کہ دنیا بھر میں دہشت گردی صرف مسلمان کر رہے ہیں۔ میں اسٹریم میڈیا کے ذریعے یہ تاشپیدا کیا جانے لگا کہ مسلمان صرف مذاہمت کرنا جانتے ہیں اور جہاں بھی انہیں موقع ملتا ہے، دہشت گردی کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ امریکی میدیا مشین مخازن سے جو پر ٹنگ کر رہی تھی اس میں صرف یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ امریکا اور یورپ کو نشانے پر لیا جا پکا ہے اور اب دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے وہ مخفی مجبوری کا سودا ہے! یعنی امریکا اور اس کے اتحادی نہیں چاہتے کہ یہ سب کچھ کیا جائے، مگر مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے دہشت گروں نے انہیں عسکری قوت کا مظاہرہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے! امریکی قیادت نے اعلان کیا کہ وہ دنیا بھر میں دہشت گردی کی جماعتی اور مدد کرنے والی ریاستوں کے خلاف کارروائی کرے گی۔ یورپ کے علاوہ اوسنیا کے چند ممالک بھی اس کے ساتھ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکا خود دنیا بھر میں دہشت گردی کو فروغ دینے میں پیش پیش رہا ہے۔ امریکی عوام بھی اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ان کی قیادت نے ایسی پالیسیاں اپنارکھی ہیں، جن سے دنیا بھر میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کے ملک سے نفرت کرنے والوں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ جو ملک خود دہشت گردی کو فروغ دینے میں پیش پیش رہا ہو وہ خود دہشت گردی ختم کرنے کے عزم کے ساتھ میدان میں نکلے تو لوگ متاثر کم ہوتے ہیں، بہتے زیادہ ہیں۔ امریکا کا بھی یہی معاملہ تھا۔ جب اس نے دہشت گردی ختم کے نام پر عالمگیر جنگ کا اعلان کیا تو دنیا بھر میں امریکی پالیسیوں پر تقدیم کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔ غیر جانب دار مصیرین اور تجویہ کاروں نے امریکی قیادت کو اس کی پالیسیوں کی بنیاد پر مطعون کرنا شروع کیا۔ اسے یاد دیا گیا کہ کتنی مالک، بلکہ خط امریکی پالیسیوں کے باقاعدہ تباہی یا عدم استحکام سے دوچار ہوئے ہیں۔ بہت سے معاشرے امریکی اقدامات کے نتیجے میں اس قدر غیر متوازن ہوئے کہ پھر ان کے لیے سنبھالنا اور استحکام کی راہ پر گامزن ہونا ممکن نہ ہا۔

اعفانستان کو جس سُقا کی سے نشانہ بنایا اور وہاں لاکھوں اتحادی فوجی تعینات کر دیے گئے اس سے سبھی جان گئے کہ امریکا دراصل خطے میں پہنچنے قدم مضمبو طکرنا چاہتا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف عالمگیر جنگ چھیڑنے کے لیے امریکا نے اپنی وار میشن کے ساتھ ساتھ میدیا مشین کو بھی متحرک کیا۔ میدیا کے مخازن پر ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا۔ میں اسٹریم کے تمام ٹوپی چینیوں، اخبارات اور جرائد گویا لے کر دہشت گردی کے پیچھے پڑ گئے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کسی کو بھی اندازہ نہ تھا کہ دمین ہے کون۔ سب کچھ مخفی اندازے کی بنیاد پر ہو رہا تھا کیا جارہا تھا۔ کسی واضح دمین کے سامنے نہ ہونے پر بھی امریکی میدیا مشین نے ایسا شور برپا کیا کہ امریکی عوام بھی یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ ان کے ملک کو افغانستان میں چھپ ہوئے دہشت گروں سے خطرہ ہے۔ اور چق تو یہ ہے کہ افغانستان کو دنیا کا خطرا ناک ترین ملک بنانے پیش کیا گیا۔ یہ سوچنے کی رحمت کسی نے بھی گوارا نہ کی کہ افغانستان جیسا تباہ حال ملک کسی کا کیا بکار سکتا ہے۔

امریکی صدر جارج واکر بُش نے ۲۰ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ایک تقریر میں کہا کہ دہشت گردی کے خلاف ایک طویل جنگ شروع ہونے والی ہے جس کے ذریعے شرکوہیمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔ امریکا نے اعلان تو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا کیا تھا مرتان ٹوٹی مسلمانوں کو نشانہ بنانے پر دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر مسلمانوں کو ختم کرنے کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اتحادی افواج نے افغانستان میں جو کچھ کیا وہ کسی بھی مسلمانوں کے جذبات بھرپور کانے کے لیے کافی تھا۔ پوری پوری آبادیاں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ دہشت گروں کے ٹھکانے ختم کرنے کی کارروائی کے نام پر شہری آبادیوں کو انہائی بے دردی سے نشانہ بنایا گیا۔ افغانستان سودیت دور کے خاتمے کے بعد ویسے ہی شدید عدم استحکام سے دوچار کیا، اتحادیوں کی بلا جواز لیغار سے ادھ مواسا ہو گیا۔ جو کچھ اتحادیوں نے دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر کیا وہ مسلم دنیا میں امریکا اور یورپ سے مزید نفرت کی راہ ہوا کر گیا۔ مسلم دنیا میں امریکا مخالف جذبات کی نئی لہر اٹھی جو بہت کچھ بہائی گئی۔ امریکا کے حوالے سے جو تھوڑی بہت خوش نہیں تھی وہ بھی رخصت ہو گئی۔ مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ امریکا انہیں کسی بھی طور سکھ چین سے جینے نہیں دے گا۔ جہادیوں کی بھرتی کا سلسلہ شروع ہوا اور لاکھوں نوجوانوں نے خود کو

گیا کہ امریکا "فریڈم فائٹرز" کو معاف کر سکتا ہے، دہشت گروں کو نہیں۔ بوش کو ایک بار پھر اپنی مرضی کے مطابق کچھ بھی کرنے کی کھلی جھوٹ مل گئی۔

لوئی پوساڈا کیریلیز اور اور لینڈ بوش کے معاملے نے واضح کر دیا کہ امریکا اپنے مفادات کو تحفظ پہنچانے کی غرض سے دنیا بھر میں دہشت گروں کو پالنے کے ساتھ ساتھ اپنی سر زمین پر دہشت گروں کو پناہ بھی دے سکتا ہے۔

اگر جارج واکر بُش دہشت گروں کے خلاف کارروائی کے معاملے میں واقعی سنجیدہ اور مخلص ہوتے تو فلوریڈا میں اپنے بھائی جیب بُش کو فون کرتے اور وہاں پچھے ہوئے دہشت گروں پر بمباری کا اعلان کرتے۔ واضح رہے کہ اس وقت جیب بُش فلوریڈا کے گورنر تھے۔ فلوریڈا میں کیواں اور جنوبی امریکا کے دیگر ممالک کے دہشت گرد پناہ لیتے رہے ہیں، مگر ان کے خلاف امریکا نے کبھی کوئی ایسی کارروائی نہیں کی جس سے اندازہ ہوتا ہوا کہ وہ عالمی امن کے حوالے سے سنجیدہ اور مخلص ہے۔

اور لینڈ بوش اور لوئی پوساڈا کیریلیز سی آئی اے کے پالے ہوئے اور ان کے لیے کام کرنے ان ہزاروں ایجنسیز اور دہشت گروں میں سے ہیں، جو امریکی مفادات کے لیے دنیا بھر میں دہشت گردی کا بازار گرم کرتے آئے ہیں۔ امریکی خفیہ ادارہ قومی مفادات کو زیادہ تحفظ فراہم کرنے کے نام پر دنیا بھر میں جو کچھ کرتا آیا ہے، اسے بہت محتاط الفاظ میں بھی دہشت گردی ہی کہا جائے گا۔ سی آئی اے کی ممالک میں حکومتوں کی تبدیلی کے حوالے سے سرگرم رہی ہے۔ منتخب اور قانونی حکومتوں کا تختیالت کر امریکی مفادات کے لیے کام کرنے والوں کو اقتدار لانا سی آئی اے کا بہترین پیشہ و رانہ مشغله رہا ہے۔ سی آئی اے نے بہت سے مسلم ممالک میں بھی کھلی کھیلا ہے۔ جنوبی امریکا اور افریقا کے بہت سے ممالک کوئی آئی اے نے جمہوریت کا گلا گھونٹے والے اقدامات کے ذریعے کمزور اور غیر مستحکم کیا ہے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امریکا اپنے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے نام پر کسی خلیے یا ملک میں چند باغی گروپوں کو پالتا ہے، انہیں جدید ترین ہتھیار فراہم کرتا ہے۔ اسامہ بن لادن بھی اپنی لوگوں میں سے تھے جنہیں امریکا نے بھرپور مد فراہم کی۔ سوویت یونین کی افواج کے خلاف افغانستان میں اپنے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کی خاطر امریکا نے القاعدہ کو مضبوط کیا۔ جب سوویت افواج نتیجے میں عام افغان باشندوں کی مشکلات بڑھ گئی ہیں۔ ایک

طرف تو وضعیت یا نے پر ہلاکتیں تھیں اور دوسری طرف ملک بھر میں اتنی تباہی واقع ہوئی کہ لوگوں کے لیے ڈھنگ سے جینا انتہائی دشوار ہو گیا۔

افغانستان میں سوویت افواج کی شکست کے بعد کی صورت حال میں ویسے ہی بہت سی خایاں موجود تھیں۔ خانہ جگلی نے بنیادی ڈھانچا تباہ کر دیا تھا۔ ہلاکتیں بھی بڑے پیمانے پر واقع ہوتی تھیں۔ امریکا اور اس کے اتحادیوں نے جب دہشت گروں کو ختم کرنے کے نام پر افغانستان کے شہری اور دیکھی علاقوں کو نشانہ بنانا شروع کیا تو بڑے پیمانے پر ہلاکتوں کا بازار گرم ہوا۔ بمباری اور گولہ باری سے کئی علاقوں تکمیل طور پر تباہ ہو گئے اور ہلاکتوں کا دارا ہے بھی وسیع ہو گیا۔ افغانستان میں اتحادیوں کی کارروائیوں واقع ہونے والی ہلاکتوں کی اصل یا حقیقی تعداد بتانا تو بہت دشوار ہے تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ اتحادیوں کی کارروائیوں سے مارے جانے والے افغان باشندوں کی تعداد نیویارک کے ولڈرٹریڈ سینٹر کے تاورز کے گرنے سے بلاک ہونے والوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی۔ اتحادیوں نے افغانستان کے بیشتر علاقوں کو نشانہ پر کھا۔ سُقا کانہ بمباری سے خواتین اور بچے بھی بڑی تعداد میں ہلاک ہوئے۔ مگر یہ وہ اموات تھیں جن کا ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ عالمی برادری یہ تماشا دیکھتی رہی، مگر کچھ کرنے یا کہنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ ترقی یافتہ ممالک میں ایک آدھ ہلاکت واقع ہو جائے تو ہنگامہ برپا ہو جاتا تھا۔ افغانستان میں لاکھوں افراد موت کا لئے بن گئے مگر کوئی روئے والا تھا۔ انصاف دلانے والا۔ دہشت گردی کو جر سے اکھاڑ پھینکنے کے دعوے کرنے والے ہی دہشت گرد ثابت ہونے لگے۔ اتحادیوں نے القاعدہ اور اس کے ہم نوا گروپوں کو ختم کرنے کے نام پر عام افغان باشندوں کو موت کے گھاث اتارنا شروع کر دیا۔ سوویت دور کی تباہ کاریوں کے بعد خانہ جگلی کا عذاب جھیلنے والے افغان تیسری مصیبت سے دوچار ہوئے۔ اتحادیوں نے بھی "مرے کو مارے شاہ مدار" کے صدق اعام افغان باشندوں ہی کو نشانہ بنایا۔ امریکا کے لیے تو لازم سا ہو گیا تھا کہ اس نام نہاد جگل کو زیادہ سے زیادہ ہوانا ک بناۓ کیونکہ اسے یہ ثابت کرنا تھا کہ اس کے پاس جدید ترین تھیماری ہیں اور یہ کہ وہ کہیں بھی کارروائی کر سکتا ہے۔ بے چارے افغان باشندوں کو جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات کی ٹکلی میں ملی۔

افغانستان سے نکل گئی تو یہی مظنو نظر جہادی امریکا کے لیے سب سے بڑے دروس میں تبدیل ہو گئے۔ اب لازم ہو گیا کہ اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں سے جان چھڑانے کا جائے۔ سوویت یونین کی تحلیل نے امریکا کے لیے القاعدہ کو یکسر غیر منفتح بخش بنا دیا۔ اب گروپ کو زندہ رکھنے یا مدد فراہم کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ یعنی تماشاختم ہو چکا تھا، اب سلامان سینئناباتی رہ گیا تھا۔ نائن الیون پر امریکا میں جو ر عمل سامنے آیا اس کی لہر پر سوار ہو کر جارج واکر بُش نے القاعدہ کے خلاف بھرپور کارروائی کا آغاز کیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر جو کچھ بھی کیا گیا اس کا بنیادی ہف القاعدہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ امریکا نے بھرپور کوشش کی تھی کہ اپنے سابق ایجنسیز کو ہر انتہار سے پہلی کر کر کھدیا جائے۔ یہ لوگ زندہ رہتے تو اصلاحیت بیان کرتے رہتے یعنی زہر ہی اگلتے رہتے! امریکی قیادت نیس چاہتی تھی کہ القاعدہ کو اسلامی دنیا میں بھرپور مقبیلیت حاصل رہے۔ وہ جانتی تھی کہ القاعدہ زندہ رہی تو جہادی ٹکلپرowan چڑھتا رہے گا اور امریکی مفادات کو خطرات لاحق رہیں گے۔ سابق سوویت یونین کو افغانستان میں شکست سے دوچار کرنے کا سہرا جن چند گروپوں کے سر باندھا جاتا ہے ان میں القاعدہ سب سے نمایاں ہے۔ اگر القاعدہ کو برقرار رہنے دیا جاتا تو وہ افغانستان میں سوویت افواج کو شکست دینے کا کریڈٹ لے لڑتی اور اس کے نتیجے میں امریکا کے لیے صرف مشکلات بڑھتیں۔ مسلم دنیا میں القاعدہ کی مقبیلیت کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ امریکی قیادت کو یہ خفسہ لاحق تھا کہ مسلم دنیا میں بھیلا ہوا جہادی ٹکلپر کہیں ان ممالک میں بھی عام نہ ہو جائے جہاں مسلمان بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ امریکا اور یورپ میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد آباد ہے۔ جہادی ٹکلپر کو مزید پہنچنے سے روکنے کے لیے القاعدہ کا قلع قلع لازم تھا۔ نائن الیون کے بعد امریکیوں میں دہشت گردی کے خلاف جو شدید ر عمل پیدا ہوا اس کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے امریکی قیادت نے القاعدہ کے خلاف جنگ چھڑی دی۔

دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے نعرے کی بنیاد پر شروع کی جانے والی جنگ نے افغانستان کو مزید تاریخ کیا۔ عام امریکی بھی یہ سونپنے پر مجبور ہوئے کہ امریکا اور اس کے اتحادیوں کی افواج نے افغانستان میں جو کچھ کیا ہے اس کے نتیجے میں عام افغان باشندوں کی مشکلات بڑھ گئی ہیں۔ ایک

رپورٹروں کو ختنے سے مسلسل سمجھاتی تھی کہ طاقتوروں اور اہل سرمایہ سے بس خبر کی حد تک دعا السلام رکھنا۔ اگر ان کے دستِ خوان کے قیدی ہو گئے تو صاحافت کو آلووہ کرنے کے بجائے یہ پیشہ چھوڑ دینا۔

آج سب سے ناکارہ صحافی وہ ہے، جس کی اہل اختیار و سرمایہ سے قربت نہ ہو۔ ایسا صحافی نہ ماں کے کام کا ناپنی اور ادارے کی معیشت کے لیے فائدہ مند۔

یہ ٹھیک ہے کہ پاکستان میں صاحافت اور آزادی افہار کا مستقبل روز بروز دھنڈ لارہا ہے۔ پر آج بھی اتنی آزادی ضرور ہے کہ صاحافت کو پہنچانی جانے والی دیدہ و نادیدہ زنجیروں پر چھوڑی بہت بات ہو سکے۔

گاگھونٹ کا مطلب ہوتا کیا ہے؟ اگر واقعی جانا ہو تو آج کسی بگلا دیش، بھارتی، ایرانی، سلطی ایشیائی، چینی، روسی، عرب یا ترک صحافی سے پوچھ لیں۔ لگ پتا جائے گا۔

(حوالہ: ”لبی ای اردو ذات کام“ - ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۸ء)

باقیہ: بھارت میں مسلمانوں کی سیاسی بے وزنی

سرائے شہر دین دیال اپدھانے نگر ہو گیا اور مغل شہنشاہ اکبر کا بسیا ہوا اللہ آباد ادب پر یاگ راج ہو گیا ہے۔ احمد آباد کو اب کرناوتی نگر بنانے کی تیاریاں چل رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں تاریخ مثالیٰ نہیں جا سکتی، مگر یہاں تو تاریخِ مخش ہو رہی ہے۔ یہ مشتعل ہوئے نام، ممثخ ہوتی تاریخ مسلمانوں کی آنے والی نسلوں سے خود اعتمادی چھین کر احساسِ مکتری میں دھیل دے گی۔ کیونکہ یہ صرف نام نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کے شاندار ماضی کی جھلک تھی، جو ثابت کرتی تھی کہ مسلمان اس ملک میں کرائے دار نہیں بلکہ حصہ دار اور اس کی تاریخ کا حصہ تھے۔ لیکن شاید غیرِ محسوں طریقے سے اوسی صدری کے اوآخر کے اپین کے واقعاتِ درہائے جارہے ہیں۔ جلد ہی بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کی تاریخ کو قصہ پارینہ بنایا جائے گا۔ اسے زندہ جاوید رکھنے کی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ ورنہ داستان تک نہ ہو گی داستانوں میں۔ مسلمان رہنماؤں کو بھی اپنے اندر جھانک کر فصلہ کرنا ہو گا کہ کیا سیکولر پارٹیوں کا دم چھلہ بن کر وہ قوم کا بھلا کر سکیں ہیں؟ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ایک تبادل حکمت عملی تیار کرنے پر سنجیدہ غور و خوض کیا جائے؟

(حوالہ: روزنامہ ”نیوز“ کراچی۔ ۲۳ اکتوبر ۲۰۱۸ء)

سینسٹر شپ؟ لگ پتا جائے گا!

دستِ اللہ خان

تو پھر وہ کیا خوف اور مفاد ہے جو مذکورہ کمپنیوں کے

بارے میں مسکن اور میڈیا اور میڈیا اور ”پرموشنل پلینینگ“

شائع کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ حالانکہ ان تمام شعبوں

اور کمپنیوں کا تعلق برداشتِ مفاسدِ عام سے ہے۔

وادیا تو بہت ہے کہ صاحافت کا گاگھونٹ جا رہا ہے اور کچھ

میڈیا اداروں کو باقاعدہ تاریخ بنانے کا معاشرہ روزہ روز

بروز نگہ ہو رہا ہے تاکہ وہ اپنی موت آپ مر جائیں۔ مگر جب

ماکان اور ایڈیٹریوں کی تنظیم سی پی این ای اور اے پی این

ایس کا وفد وزیرِ اعظم عمران خان سے ملاقات کرتا ہے تو

شکایت نہیں ہوتی کہ ذرا رخ ابلاغ پر سے غیر اعلانیہ دباؤ،

سینسٹر شپ اور خوف کا سایہ کم کیا جائے۔ بلکہ یہ شکوہ کیا جاتا ہے

کہ حکومت سرکاری اشتہارات کیوں روک رہی ہے، ہمیں

بہت مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کوئی ناپسندیدہ تاک شو بند

کرنے یا کسی ایکنٹر یا پورٹر کو ادھر ادھر کرنے سے معاملہ سلچ

سلتا ہے تو حکم کیجیے تعمیل ہو گی۔

اس طرزِ عمل کے بعد فاقہ و زیر اطلاعات فواد چوہدری

کے اس تصریح کو کیسے چیلنج کیا جا سکتا ہے کہ کیسی پابندی؟ کون

سی سینسٹر شپ؟ مجھ سے تو کسی صحافی یا ادارے نے شکایت نہیں

کی۔۔۔

یہ ٹھیک ہے کہ صاحفوں کی جو تنظیمیں آزادی صاحافت کی

وکیل ہیں ان کے دھرنے، احتجاج یا ریلیوں کی خبریں ان کے

اپنے ہی نیوز چیلٹر سے نہ نہیں بلکہ یہاں یا اپنے ہی اخبار میں

شائع نہیں ہو سکتیں۔

مگر وہ کیا خوف ہے، جس کے سبب یہ صحافی تنظیمیں

میڈیا اداروں میں چھانٹی، تنخوا ہوں اور واجبات کی عدم

ادائیگی جیسے غیر سیاسی مطالبات کے حق میں احتجاجی بیز بھی

پر لیں کلب کے باہر نہیں اندر لٹکانا پر مجبور ہیں۔ کیوں کوئی

غیر صحافی یا میڈیا لک دیکھی ہے نہ لے۔

کس نے اوپر سے حکم جاپی کیا کہ ۱۹ اکتوبر جانے کے

بعد بھی سعودی صحافی جمال خاشقجی کے قتل کی نہت میں کوئی

پاکستانی صحافی تنظیم ایک علمی بیان تک جاری نہ کرے۔ پھر

بھی موقع یہ رکھتے ہیں کہ تمام علمی حقوق کی تنظیمیں پاکستانی

میڈیا پر کے جانے والے ٹکچنگ کا نوش بر ابریلیتی رہیں۔

کیسی پاک تھی اخباری ماکان و ایڈیٹریز کی وہ نسل جو پہنچنے

یقیناً آج کے پاکستان میں کچھ موضوعات مثابر ممنوعہ

ہیں۔ آپ ان معاملات پر ریاستی بیانے سے ہٹ کر، ہاتھ

ڈالنے کی کوشش کریں گے تو ہر طرح کی بھریں کاٹ کاٹ کے

پنڈا سجادیں گی اور ”سوشل میڈیا میکھیوں“ کا جھنڈا چہار سمت

سے پل پڑے گا اور جسم پر جگہ جگہ پاکستان واسلانم دشمنی،

غداری، غیر ملکی ایجنسی اور ملکی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی

سازش کے لامیہ دوڑے ڈال دے گا۔

آپ کی سوچ، شہر، ماضی و حال کو ہر طرح کے دشنا میں

ایمنیشن سے چھید دیا جائے گا۔

یہ درست ہے کہ بلوچستان، دہشت گردی کے خلاف

جنگ، بیویوی حقوق، غائب افراد کا معاملہ، حساس اداروں کی

بالائے آئین میں سرگرمیاں، کاروباری مفادات، عدالیہ کے فیصلے

اوہ ”سی پیک“ پر سطحی تقدیم بھی علاقے ممنوعہ کی حدود میں شمار ہے۔

25 جولائی کے انتخابی نتائج پر عدم اطمینان تو ظاہر کیا جا سکتا ہے

ہے مگر اس عدم اطمینان کی وجہات میں نہ گھسنا ہی بہتر ہے۔

لیکن جو موضوعات بظاہر ریاستی ممنوعات کی فہرست میں

نہیں آتے ان کے بارے میں کوئی سوال اٹھاتے ہوئے لب

کیوں کا پتے ہیں، زبان کیوں ساتھ نہیں دیتی، دلیل کو زگ

کیوں لگ جاتا ہے، بات خود بخوبی کوڈ بدل جاتی ہے؟

مثلاً ہر نسیریاتی و اخباری ادارہ نیب یا اعلیٰ عدالت میں

زیرِ ساعت ہر ہائی پروفائل کیس پر بلا چکا ہٹ تبرہ کرنے

میں کوئی عارضوں نہیں کرتا۔

لیکن علاوہ ایک آدھ انگریزی اخبار و چینل کے شاید ہی

کوئی صحافی ادارہ ہو جو ملک کے ایک معروف ”لینڈ ڈبلپر“

بھریہ ناڈن کے بارے میں سپریم کورٹ کی ساعت کی خبر بھی

شائع یا نشر کرنے کا حوصلہ رکھے۔ اس بابت کسی ریاستی

ادارے نے نہیں بلکہ کاروباری و اشتہاری مفادات نے

زبان بندی کر کھی ہے۔

کیا کسی ریاستی ادارے نے ایسی کوئی ”ایڈو اس“ جاری

کی ہے کہ فارماونیکل، منرل واٹر، سیلر فون کمپنیوں، آئل اور

پاکستانی موصالی ادارے پی ٹی سی ایل کے بارے میں

روپرٹنگ کرتے ہوئے احتیاط بر تی جائے۔